صوابدیدی نظاموں کے تحت کام کر رہے ہیں۔ 2010 میں بی آئی ایس پی کی شکل میں 'پراکسی مینز ٹیسٹ' (Proxy Means Test) پر مبنی بڑے پیمانے پر نقد رقوم کی منتقلی کا پروگرام پہلی بار شروع کیا گیا اور پاکستان میں سماجی امداد کا تصور صحیح معنوں میں متعارف کرایا گیا۔

کووڈ-19 کی وباء پھوٹنے سے پہلے ہی پاکستان میں سماجی تحفظ کے ایجنڈا کو آگے بڑھانے کے لئے ایک وسیع البنیاد احساس پروگرام شروع کر دیا گیا اور بی آئی ایس پی بھی اس کے دائرے میں آ گیا۔ اس میں غریب گھرانوں کو غربت سے نکلنے میں مدد دینے کے مختلف پروگرام شامل ہیں۔ پاکستان میں سماجی تحفظ کے اس پروگرام سے مستفید ہونے والے خاندانوں کی تعداد بھی بڑھا دی گئی ہے۔ مالی سال 2009 میں یہ تعداد تقریباً 1.76 ملین تھی جو بڑھ کر 4.5 ملین تک پہنچ چکی ہے۔ مالی سال 2020 میں (10 جولائی تک) کووڈ-19 کے جوابی اقدامات کے تحت مزید آٹھ ملین گھرانوں کو ایک بار نقد امداد بھی دی گئی۔ صوبوں نے بھی اپنے پروگرام شروع کئے ہیں، مثلاً سندھ میں محکمہ سماجی بہبود میں ایک سماجی تحفظ یونٹ قائم کیا گیا ہے۔ پاکستان میں پے در پے آنے والی آفات اور کووڈ-19 کی حالیہ وباء کے پیش نظر تمام صوبے سماجی تحفظ پر زیادہ سرمایہ لگا رہے ہیں۔ یہاں ایک سوال اپنی جگہ موجود ہے کہ آبادی کے کمزور طبقات پر بحران کے اثرات کم کرنے کے اجتماعی مقصد کے معاملے میں یہ تمام سرگرمیاں آپس میں کس حد تک ضم ہیں؟

وقت کا تقاضا شاید یہی ہے کہ گزشتہ ایک دہائی میں ہم نے جو کامیابیاں حاصل کیں، ان پر ایک نظر دوڑائیں اور یہ دیکھیں کہ ان اقدامات کو کس طرح آگے بڑھایا جا سکتا ہے۔ کووڈ-19 کا بحران حکومتوں کا امتحان تھا کہ وہ مالی مشکلات کے باوجود آبادی کے انتہائی کمزور طبقات کی آواز پر کس طرح لبیک کہتی ہیں۔ بحران کے دنوں میں پاکستان کے جوابی اقدامات نے ثابت کر دیا کہ متوسط آمدنی والے ممالک اپنی استعداد کے اندر رہتے ہوئے انتہائی کمزور طبقات کو سماجی تحفظ کی سہولتیں فراہم کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ پاکستان جیسے پست متوسط آمدنی والے ممالک بھی، جو اپنے ٹیکس نظام کی اصلاح اور مالی خسارے سے نمٹنے کی دوڑ دھوپ میں لگے ہیں۔

موجودہ سکیموں میں درپیش مسائل

یہ تو سچ ہے کہ بی آئی ایس پی کے تحت امدادی رقوم کی غیر مشروط منتقلی کے سلسلے میں قومی سماجی و معاشی رجسٹری کو اپ ڈیٹ کرنے کا کام جاری ہے لیکن لوگوں تک پہنچنے کے ان تفصیلی نظاموں کو عملی جامہ پہنانے پر خرچ بہت زیادہ آتا ہے اور ایسی معیشتوں میں یہ زیادہ دیر تک کارآمد نہیں رہتے جہاں غیر رسمی شعبے میں روزگار اور زراعت پر انحصار عام ہو، گھرانوں کی آمدنی بہت زیادہ اتار چڑھاؤ کا شکار رہتی ہو اور اثاثوں کی ملکیت تیزی سے بدلتی رہتی ہو۔ زیادہ امکان یہی ہے کہ اعداد و شمار جمع کرنے کے ایک دہائی بعد ان کے حالات بدل چکے ہوں گے اور رقوم کی منتقلی کی اہلیت طے کرنے کے لئے جو حد استعمال کی گئی تھی، آج کئی گھرانے اس سے اوپر یا نیچے جا چکے ہوں گے۔ کسی بھی صورت میں قومی سماجی و معاشی رجسٹری کو اپ ڈیٹ کرنے میں تاخیر ایک ایسی صورتحال پیدا کر سکتی ہے جس میں بی آئی ایس پی سے مستفید ہونے والے افراد کی فہرستوں میں شمولیت اور اخراج دونوں کی غلطیاں نمایاں حد تک بڑھ جائیں گی۔

دوسرا، اگرچہ ملکی میڈیا پر شاید ہی کوئی اس موضوع کو زیر بحث لائے، زکوٰۃ اور بیت المال کی سکیموں سے مستفید ہونے والے افراد کے چناؤ میں بھی فورنزک آڈٹ فائدہ مند ثابت ہو سکتا ہے کیونکہ یہ چناؤ بڑی حد تک صوابدید پر مبنی ہوتا ہے۔ قیاس ہے کہ یہاں شمولیت میں غلطیوں کا امکان کم ہے کیونکہ عام طور پر چھوٹی چھوٹی رقوم تقسیم کی جاتی ہیں اور یہ صرف انہی لوگوں کے لئے فائدہ مند ہوں گی جو خط غربت سے نیچے ہیں۔ بہر حال یہ امکان بہت زیادہ ہے کہ اخراج میں غلطیاں ہو رہی ہوں گی کیونکہ زکوٰۃ کمیٹیاں نئے مستحقین کی نشاندہی پر شاید زیادہ کام نہیں کرتیں یا ہو سکتا ہے وہ ایسے محروم گھرانوں کے حالات کی تصدیق نہ کر پائیں جو مقامی سماجی زندگی میں زیادہ سرگرم نہیں ہوتے۔ ان کی کارکردگی کو دیکھتے ہوئے، بحران کے دنوں میں، جب کمزور طبقات فوری امداد کے منتظر ہوتے ہیں، مستحقین کی نشاندہی کا امکان نہ ہونے کے برابر ہے۔ چاہے وہ گھرانے جو مذہبی اقلیتوں میں شمار ہوتے ہیں، یا پھر جن میں منفرد صلاحیتوں کے حامل کوئی افراد ہیں، یا محض وہ لوگ جو مضافات میں رہتے ہیں، ان سب کے معاملے میں کئی وجوہات ہو سکتی ہیں جن کی بناء پر وہ مستحقین کی نشاندہی پر مامور زکوٰۃ کمیٹی کے رضاکاروں کی نظر میں نہیں آتے۔ یہی معاملہ بیت المال کا ہے جو محدود وسائل کی بناء پر 'پہلے آئیے، پہلے پائیے' کی بنیاد پر کام کرتا ہے اور عملی طور پر اس سے ملنے والی سہولیات کی کوئی تشہیر بھی نہیں کی جاتی (تاکہ درخواستیں اتنی زیادہ نہ آ جائیں کہ وہ انہیں پورا نہ کر سکیں)۔

آئندہ لائحہ عمل

آگے بڑھنے کا ایک طریقہ یہ ہو سکتا ہے کہ پاکستان میں سماجی تحفظ کا نظام جو بہت زیادہ بکھرا ہوا ہے، اسے واحد نظام سمجھتے ہوئے اس کا تجزیہ کیا جائے، جس میں یہ بھی دیکھا جائے کہ بحران کے دنوں میں یہ کس طرح کارآمد رہتا ہے، چند ترجیحی شعبوں کا تعین کیا جائے اور معاونت کو دو یا تین سکیموں کے طور پر ٹھوس شکل دینے کی راہیں نکالی جائیں۔ ایک کام یہ بھی کیا جا سکتا ہے کہ لوگوں تک پہنچنے کے نظاموں کا تفصیلی جائزہ لیا جائے، اور اثاثوں کے مدت وار سروے کی فزیبلٹی کا تجزیہ کیا جائے۔ کئی اہم عوامی خدمات ایسی ہیں جن میں نمایاں بہتری آ چکی ہے یا آ رہی ہے اس لئے سب کے معاملے میں ایک ہی سوچ کیا طویل مدت میں کارآمد ہو گی؟ یہ فیصلے راتوں رات نہیں ہونے چاہئیں بلکہ ان پر بحث کی روایت ڈالنا ضروری ہے۔

دنیا بھر کی حکومتوں نے شہریوں کو کاروبار زندگی رواں رکھنے میں مدد دینے کے لئے غیر معمولی اقدامات کئے۔ یورپ میں مالی سرگرمیاں تیز کرنے کے خصوصی پیکج دیئے گئے، جس کی مالیت اٹلی میں 2019 کے جی ڈی پی کا 32 فیصد اور جرمنی میں 24 فیصد رہی۔[1] یہاں تک کہ امریکہ نے بڑے ریلیف پیکج پیش کئے، ان میں سے حالیہ پیکج کی مالیت 1.9 ٹریلین امریکی ڈالر ہے جس کے تحت ملازمت سے محرومی پر 300 امریکی ڈالر کی ہفتہ وار اضافی امداد، چائلڈ ٹیکس کریڈٹ میں ایک سالہ توسیع اور کئی گھرانوں کو مدت وار ادا کی جانے والی رقوم دی جا رہی ہیں۔[2] عالمی مالیاتی ادارے، آئی ایم ایف نے گزشتہ سال کے دوران ترقی پذیر ممالک کو کووڈ-19 سے متعلق اقتصادی ایمرجنسی سے نمٹنے کے لئے 107 ارب امریکی ڈالر امداد کی پیشکش کی۔[3] جن ممالک کے صحت عامہ کے نظام پہلے سے مضبوط تھے یا بڑے پیمانے پر مراعات دینے کے نظام کسی نہ کسی شکل میں موجود تھے، وہ مختصر نوٹس پر امداد فراہم کرنے کی بہتر پوزیشن میں آ گئے۔

کیا آپ جانتے ہیں؟

بے نظیر انکم سپورٹ پروگرام اصل میں اشیائے خورد و نوش اور ایندھن کی مہنگائی کے دنوں (جب 08-2007 میں تیل کی عالمی قیمتیں مسلسل اوپر جا رہی تھیں) میں نقد امداد دینے کے لئے شروع کیا گیا جس میں 2009 کی ملک گیر گھرانہ شماری کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ دس سال بعد بھی رقوم کی غیر مشروط منتقلی کا یہ پروگرام پاکستان میں سماجی تحفظ کا ایک مرکزی پروگرام ہے اور 2009 کے اعداد و شمار کو اپ ڈیٹ کرنے کے لئے نئی قومی سماجی و معاشی رجسٹری پر کام جاری ہے۔

1 https://www.bruegel.org/publications/datasets/covid-national-dataset

2 وال سٹریٹ جرنل (2021)۔ House Passes $1.9 Trillion Covid-19 Stimulus Bill; Biden to Sign Friday۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.wsj.com/articles/house-set-to-approve-covid-19-relief-bill-11615372203

3 عالمی مالیاتی ادارہ (2021)۔ COVID-19 Financial Assistance and Debt Service Relief۔ جو یہاں سے دستیاب ہے: https://www.imf.org/en/Topics/imf-and-covid19/COVID-Lending-Tracker

سلامتی کے تقاضے

> ”پاکستان اگر اقوام عالم میں اپنا نمایاں مقام حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو جامع قومی سلامتی، عمدہ طرز حکمرانی اور قانون پسند معاشرے کو اپنا ہمہ گیر مقصد بنانا ہوگا۔“

اعزاز احمد چودھری

ڈائریکٹر جنرل
انسٹی ٹیوٹ آف سٹریٹجک سٹڈیز، اسلام آباد

’اجتماعی سلامتی‘ کے تصور کا ارتقاء

انتہائی بنیادی معانی میں سلامتی ایک ایسا تصور ہے جو ہر قومی ریاست کو ایسے طریقے اپنانے کا پابند بناتا ہے جن سے بقاء کے احساس کو تقویت ملے۔ سچ تو یہ ہے کہ سلامتی کا تصور ہی قومی ریاستوں کی تشکیل کا موجب بنا۔ سلامتی کا یہی تصور بعض صورتوں میں ایک دو دھاری تلوار بن جاتا ہے۔ دنیا کے کئی ممالک نے سلامتی کو جواز بنا کر دوسرے ملکوں کے خلاف جنگیں چھیڑیں، جن سے تباہی آئی اور اموات بھی ہوئیں۔ بہر حال دو عالمی جنگوں، ایٹمی ہتھیاروں کی دریافت اور ان کے استعمال، اور لاکھوں افراد کی اموات نے ان قومی ریاستوں کے ضمیر کو بیدار کر دیا اور انہوں نے ایک ایسی نئی دنیا کا تصور آنکھوں میں سجا لیا جس میں قومی سلامتی اپنی نوعیت کے اعتبار سے آزاد ہو گی۔ اقوام متحدہ اسی وژن کا براہ راست ثمر تھی اور اس خیال پر مبنی تھی کہ تنگ نظری کا شکار قوم پرستی اور غلبے کی نسبت بین الاقوامی تعاون اور باہمی احترام کہیں زیادہ سلامتی و استحکام کا سامان کرتے ہیں۔ اقوام متحدہ کے چارٹر نے اجتماعی سلامتی کے ایک نئے تصور کے ارتقاء کے لئے مضبوط بنیاد استوار کر دی۔ سادہ لفظوں میں اصول یہی ٹھہرا کہ جب تک آپ کا ہمسایہ ملک محفوظ ہے، آپ بھی محفوظ ہیں۔

تاہم وقت گزرنے کے ساتھ اجتماعی سلامتی کے اس تصور کو کئی سنگین چیلنجوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ان میں سب سے نمایاں چیلنج سرد جنگ کا تھا جس نے ملکوں کو سلامتی کے تقاضوں کے پیش نظر اتحادوں کا حصہ بننے پر مجبور کر دیا اور ایک طرح سے دنیا کو قطبیت کا شکار بنا دیا۔ اس نے اجتماعی سلامتی کے تصور کے لئے ایک براہ راست چیلنج کو جنم دیا کیونکہ ممالک نے اپنی قومی سلامتی کے نام پر اپنی اپنی صف بندی کر لی۔ سرد جنگ کا خاتمہ ہوا تو تھوڑے عرصے کے لئے دنیا نے سکھ کا سانس لیا۔

عالمگیریت کے سحر اور اس کی مقناطیسی قوت نے ایک بار پھر ممالک کو یکجا کر دیا۔ البتہ اس بار وہ قومی سلامتی کی خاطر یکجا نہ ہوئے تھے بلکہ لبرل جمہوریت اور منڈی کی معیشت کی وعید نے انہیں ایک ساتھ بٹھا دیا تھا۔ اس نئے ’نارمل‘ نے اجتماعی سلامتی کو ’جامع اجتماعی سلامتی‘ کے تصور میں تبدیل کر دیا۔ اب ممالک اقدار کے ایک عالمی سماجی و اقتصادی فریم ورک کے پابند ہیں جس میں انہوں نے انسانی حقوق اور بنیادی آزادیوں کو فروغ دینے کا تہیہ کر رکھا ہے۔

جامع اجتماعی سلامتی کی وعید بظاہر تو بھلی لگتی تھی لیکن بدقسمتی سے اس کا عرصہ حیات بڑا مختصر رہا۔ ممالک کے قومی سلامتی فریم ورک پر یکطرفہ سوچ نے اپنا غلبہ جما دیا۔ یہ غلبہ اس حد تک چلا گیا کہ اس نے کثیر فریقی سوچ پر زمین تنگ کر دی۔ اس پر مستزاد یہ کہ غیر ملکیوں سے نفرت، امیگریشن کی مخالفت، اسلاموفوبیا، بین الاقوامی تجارت میں حفاظت پسندی جیسے مسائل نے سر اٹھا لیا اور دنیا کو مزید غیر محفوظ اور پیچیدہ بنا دیا۔ یہاں تک کہ بنیادی انسانی حقوق کے حفاظتی اقدامات مثلاً ’حق حفاظت‘ کو بھی طاقتور ممالک نے اپنے ایجنڈوں کو آگے بڑھانے کے لئے استعمال کیا۔ اپنے اشاروں پر نہ چلنے والے ممالک میں حفظ ماتقدم کے نام پر طاقت کا استعمال اور حکومتوں کی تبدیلیاں اس کی چند مثالیں ہیں۔ قصہ مختصر، قومی سلامتی ایک ایسا مستقل، پیہم اور حالات اور ماحول کے مطابق ڈھل جانے والا عمل ہے جو بین الاقوامی نظام میں ہمیشہ عیاں رہا ہے۔

مقامی بیانیہ

بعض قابل فہم وجوہ کی بناء پر 1947 میں اپنی آزادی کے دن سے ہی پاکستان کی نو آموز ریاست کو اپنی بقاء اور سلامتی سے متعلق شدید فکر لاحق

رہی۔ مشرقی ہمسائے کی طرف سے درپیش خطرے کی بناء پر پاکستان کو اپنی دفاعی ضروریات کے سلسلے میں مغرب کی راہ دیکھنا پڑی۔ پاکستان کا جغرافیائی محل وقوع بھی اپنے ساتھ ملک کے لئے مشکلات اور مواقع لایا۔ تاہم وقت کے ساتھ پاکستانی قوم کو اندازہ ہو گیا کہ طبعی سلامتی پر توجہ مرکوز کرنا بجا ہے لیکن محض یہی کافی نہیں ہو گا۔ اس کے ساتھ دوسرے دو پہلوؤں یعنی معاشی اور انسانی سلامتی کو بھی یقینی بنانا ہو گا۔ پیچیدہ مشکلات جن میں سلامتی کو درپیش غیر روایتی خطرات مثلاً آبی اور غذائی عدم تحفظ، سائبر اور ہائبرڈ جنگ، سٹریٹجک جبر اور دشمن کے مقابلے میں قانونی نظاموں کا غلط استعمال وغیرہ شامل ہیں، کے عالم میں دیگر اقوام کی طرح پاکستان کے پاس بھی کوئی چارہ نہ رہا کہ وہ اپنی قومی سلامتی کے تصور کو روایتی سلامتی، معاشی سلامتی اور انسانی سلامتی کے زیادہ جامع معانی کے تحت از سرنو زیر غور لائے۔

پاکستان میں روایتی سلامتی کی مشینری پہلے ہی مضبوط ہے۔ بحیثیت مجموعی جامع قومی سلامتی کے تصور کے تحت اب معاشی سلامتی زیادہ اہمیت اختیار کر رہی ہے۔ پاکستان کی موجودہ حکومت جغرافیہ کے بجائے معاشیات کی بنیاد پر اپنے خارجہ تعلقات استوار کرنے میں زیادہ دلچسپی رکھتی ہے۔ اپنے اسی وژن کے تحت یہ علاقائی رابطہ سہولیات پر بھی مرکزی توجہ دے رہی ہے۔ چین پاکستان اقتصادی راہداری (سی پیک) سے نہ صرف چین اور پاکستان بلکہ پورے خطے کے لئے معاشی مواقع کی لاتعداد راہیں کھل جائیں گی۔ پاکستان کی معاشی سلامتی بہتر بنانے کے مقصد کے تحت نہ صرف تعلیم، صحت عامہ، زراعت، انفارمیشن ٹیکنالوجی، سائنس و ٹیکنالوجی میں امریکہ کے ساتھ تعاون کے نئے امکانات کا جائزہ لیا جا رہا ہے بلکہ ہمسایہ ملک افغانستان، مشرق وسطیٰ اور افریقہ کے ساتھ بھی معاشی و کاروباری اشتراک عمل پر توجہ دی جا رہی ہے۔ تاہم اس پہلو کا بہت زیادہ انحصار ملک میں عمدہ طرز حکمرانی پر ہے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ سیاسی استحکام ہو، اور ملک کی سیاسی، کاروباری اور دیگر اشرافیہ بلاتردد اس بات پر متفق ہو کہ پاکستان کے روشن مستقبل میں مضبوط معیشت کو ہر حال میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔

جامع سلامتی کے تصور کا تیسرا عنصر یعنی انسانی سلامتی بھی کچھ کم اہم نہیں۔ انسانی وسائل کسی بھی ملک کا اصل سرمایہ ہیں۔ لوگوں کی تعلیم اور اچھی صحت پر سرمایہ کاری، ان کے لئے روزگار کے مواقع اور ان کی رہائشی و دیگر ضروریات کی تکمیل انہیں بااختیار بناتی ہے جس کے نتیجے میں ملک کی قومی سلامتی بہتر ہوتی ہے۔ انسانی سلامتی بہتر بنانے کے مقصد کے تحت اقوام متحدہ نے ہر ملک کے لئے بنیادی معیارات طے کر کے اس سلسلے میں ایک بڑا کام کر دیا ہے۔ ہزاریہ ترقیاتی مقاصد سے پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد تک ہر ملک کے لئے ایک روڈ میپ وضع کر دیا گیا ہے۔ اصل چیز عملدرآمد ہے۔ اس سلسلے میں قانون کی حکمرانی اور معاشرے کے تمام طبقات کے لئے برابر مواقع عوام کو بااختیار بنانے کا بہترین راستہ ہے۔ جس طرح معاشی سلامتی پر قومی اتفاق رائے ضروری ہے، اسی طرح انسانی سلامتی کو بھی طرز حکمرانی کے قومی نظاموں میں مرکزی حیثیت دینے کے لئے ایک سماجی معاہدے کی ضرورت ہے۔

شکل نمبر 1: جامع سلامتی کے تین پہلو

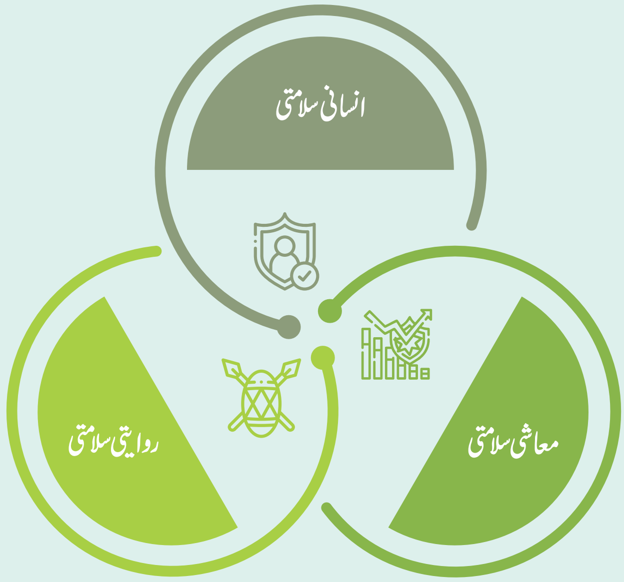

یہاں پوچھنا یہ بنتا ہے کہ اگر سمت اتنی واضح ہے اور روڈ میپ بھی وضع کر دیئے گئے ہیں تو پھر مسئلہ کہاں ہے؟ متعدد ایسے شعبوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جو فوری توجہ چاہتے ہیں۔ سب سے پہلے سیاسی عزم کا سوال آ جاتا ہے۔ سیاسی عزم اتنا پختہ ہونا چاہئے کہ کوئی سیاسی مصلحتیں اس کے آڑے نہ آئیں اور قانون کی حکمرانی کی مکمل پاسداری کی شکل میں نظر آنا چاہئے۔ دوسرا تقاضا یہ ہے کہ جن باتوں پر اتفاق ہو اور جو منصوبے بنائے جائیں ان سب پر عملدرآمد کیا جائے۔ تیسرا عنصر اختیارات اور وسائل کی نچلی سطح پر منتقلی اور اس کے ساتھ ساتھ احتساب کا ایک مضبوط نظام ہے جو کرپشن کا قلع قمع کرے۔ اس کثیر رخی سوچ پر چلتے ہوئے ایک ایسی بنیاد استوار کی جا سکتی ہے جس کی بدولت متعدد دیگر ناگزیر مسائل کے ازالہ پر کام شروع کر سکتا ہے، جیسے پانی کی قلت، غذائی عدم تحفظ، آبادی کی خطرناک حدوں کو چھوتی بلند شرح افزائش، خواندگی کی پست سطح، صحت عامہ کا کمزور بنیادی ڈھانچہ اور کم زرعی پیداوار۔ یہ ایک طویل سفر ہے لیکن منزل تک پہنچنے کا کوئی چور راستہ نہیں ہے۔ پاکستان اگر اقوام عالم میں اپنا نمایاں مقام حاصل کرنے کا خواہشمند ہے تو جامع قومی سلامتی، عمدہ طرز حکمرانی اور قانون پسند معاشرے کو اپنا ہمہ گیر مقصد بنانا ہو گا۔

پاکستان میں بھی قومی سلامتی کا تصور بے پناہ تبدیلی کے عمل سے گزر چکا ہے۔ اس پر اب یہ اتفاق رائے پیدا ہو رہا ہے کہ پاکستانی ریاست کی سلامتی کو جامع معانی میں آگے بڑھانا لازم ہے جس کے تین رخ بنتے ہیں: قومی یا طبعی سلامتی، معاشی سلامتی اور انسانی سلامتی۔ جامع قومی سلامتی کا یہی سہ رخی تصور ہی پاکستان کو ایسا مستحکم ماحول فراہم کر سکتا ہے جس میں وہ بحیثیت قوم اپنی بھرپور استعداد کو بروئے کار لا سکے۔ تاہم قومی سلامتی کے تنگ نظری پر مبنی احساس سے جامع سلامتی تک کا سفر ہرگز آسان نہیں۔

” عالمگیریت کے سحر اور اس کی مقناطیسی قوت نے ایک بار پھر ممالک کو یکجا کر دیا۔ “

نقطہ نظر

موسمیات
اور تبدیلی کے اقدامات

”جرمن واچ کے کلائمیٹ رسک انڈکس 2020 کے مطابق طویل مدت اور متعلقہ سالوں کے انڈکس پر پاکستان سب سے زیادہ متاثر ہونے والے ممالک میں پانچویں نمبر پر ہے۔“

حماد نقی خان

چیف ایگزیکٹو آفیسر
و ڈائریکٹر جنرل
ورلڈ وائیڈ فنڈ فار نیچر،
پاکستان

موسمیات کا بحران

موسمیاتی تبدیلی، نوع انسانی کو درپیش ان اولین مسائل میں سے ایک ہے جن سے نمٹنا ہماری اولین ترجیح ہونی چاہئے۔ پاکستان موسمیاتی تبدیلی کے ہاتھوں سب سے زیادہ متاثر ہونے والے اولین دس ممالک میں شمار ہوتا ہے حالانکہ گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں اس کا فیصد حصہ بالکل برائے نام سا ہے۔

2004 کے سونامی اور 2005 کے زلزلے نے ردعمل کے بجائے عمل پر مبنی فعال سوچ کی جانب قدم بڑھانے کے لئے محرکین کا کردار ادا کیا۔ 2010 کا سیلاب موسمیات سے پیدا ہونے والی سب سے بڑی آفت تھی جس کے نتیجے میں ملکی تاریخ کی سب سے بڑی نقل مکانی ہوئی اور تقریباً دو کروڑ افراد گھر سے بے گھر ہو گئے۔ اس سیلاب نے 2012 میں موسمیاتی تبدیلی کی قومی پالیسی کے مسودے کی تیاری کے لئے راہ ہموار کی جس کے نتیجے میں ایک فریم ورک (2015-2030) وضع کیا گیا اور پاکستان موسمیاتی تبدیلی ایکٹ، 2016 کا نفاذ عمل میں آیا۔

موسمیاتی تبدیلی پالیسی کے تحت مختلف شعبوں کے لئے جو سفارشات کی گئی ہیں ان پر پیہم اور طویل مدتی اقدامات کی شکل میں عملدرآمد ہونا چاہئے تا کہ آہستہ آہستہ کمزور کمیونٹیز اور ماحولیاتی نظاموں کی مزاحمتی صلاحیت میں بہتری لائی جاسکے۔ پاکستان نہ صرف پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد پر کام کر رہا ہے بلکہ کیوٹو پروٹوکولز (2005) پر بھی دستخط کر چکا ہے۔ تمام متعلقہ بین الاقوامی معاہدوں اور اعلامیوں میں جو وعدے کئے گئے ہیں ان کے تحت ایسی ٹھوس کوششوں کی ضرورت ہے جن کے نتائج کی عددی پیمائش بھی ممکن ہو۔

پاکستان میں کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر

کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر میں زیادہ تر مٹی / زمین کی تیاری، موزوں ترین معیار اور اقسام کے بیج کے انتخاب، کھیت میں پانی کے عمدہ استعمال، آبپاشی کے بہترین کارکردگی دکھانے والے طریقوں، فصلوں کی مدت، بوائی اور کٹائی کے طریقوں، کیڑے مکوڑوں سے نمٹنے کے مربوط اقدامات، ذخیرہ، ویلیو چین اور مصنوعات کی دانشمندانہ مارکیٹنگ پر توجہ مرکوز کی جاتی ہے۔ یہ سرگرمیاں قدرتی وسائل کے تحفظ سے براہ راست جڑی ہیں جن کا مقصد فیصلہ سازی کے دانشمندانہ نظام کے ذریعے بھرپور ثمرات حاصل کرنا ہے۔ اراضی کی منصوبہ بندی اسے موزوں ترین مقصد یا فصل کے لئے بہتر طور پر بروئے کار لانے میں اپنا کردار ادا کر سکتی ہے جس سے ثمرات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ پانی کے کھلے

ریچارج پاکستان پروگرام

مقصد

قدرتی وسائل کو تحفظ دینے
کے لئے انجینئرنگ کے بجائے
اصول فطرت پر مبنی طریقوں کا استعمال

کثیر شعبہ جاتی اقدامات

1. وزارت آبی وسائل
2. وزارت موسمیاتی تبدیلی
3. متعلقہ صوبائی محکمے
4. تحقیقی ادارے
5. تدریسی حلقے
6. غیر سرکاری تنظیمیں (این جی اوز)
7. مقامی کمیونٹیز
8. متفرق پارٹنرز

ریچارج پاکستان پروگرام کی بدولت عملدرآمد کے تمام شعبوں میں جدت کو متعارف کرایا جائے گا۔ یہ پاکستان میں ماحولیاتی نظام کے مطابق طرز زندگی ڈھالنے کے اقدامات پر بڑے پیمانے پر عملدرآمد کا پہلا پراجیکٹ ہو گا جس کے ذریعے سیلابی پانی کا عمدہ استعمال کیا جائے گا اور سیلابی علاقوں میں زیادہ لچکدار اور مربوط فیصلہ سازی اور جوابی اقدامات میں مدد دی جائے گی۔ دوسرا، اِس پراجیکٹ کے تحت سیلاب کے خطرات سے نمٹنے کے مربوط اقدامات کے تحت شدید پہاڑی بارشوں پر کام کیا جائے گا۔ انتہائی نوعیت کے موسمیاتی واقعات کے دوران سیلابی بہاؤ کم کرنے کے لئے ماحولیاتی نظام کے مطابق طرز زندگی ڈھالنے کے اقدامات پر عملدرآمد کیا جائے گا اور ان سے پیدا ہونے والے مواقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے بالخصوص سندھ اور خیبر پختونخوا کے بارانی اور خشک سالی کا شکار ہونے والے علاقوں میں دریائے سندھ کے شدید سیلابوں میں پہاڑی بارشوں کے کردار میں نمایاں کمی لانے میں مدد ملے گی۔

پراجیکٹ پر عملدرآمد کرنے والے پارٹنرز بالخصوص حکومتی نمائندے طویل مدت میں اس کی سرگرمیوں کا تحفظ کریں گے، دوسری جگہوں پر بھی یہ طریقے اپنانے میں مدد دیں گے اور متعلقہ فریقوں کے باہمی روابط کے لئے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ پراجیکٹ سٹیئرنگ کمیٹی اور پراجیکٹ ایڈوائزری کمیٹیوں کے اجلاس پراجیکٹ کے دوران اور اس کے بعد باقاعدگی سے منعقد کئے جائیں۔ اس کے ساتھ ساتھ ماحولیاتی نظام کے مطابق طرز زندگی ڈھالنے کے اقدامات اپنی نوعیت کے اعتبار سے دیرپا ہیں، جو کمیونٹیز ان پر کام جاری رکھیں گی اور کمیونٹی سطح پر قدرتی وسائل کے عمدہ استعمال اور سیلابی خطرات سے نمٹنے کے اقدامات کرتے ہوئے انہیں مثال کے طور پر اپنائیں گی وہاں کمزور کمیونٹیز کو ان سے مسلسل فائدہ پہنچتا رہے گا جس کے لئے فنڈز کی ضرورت پڑے گی جو عطیہ دینے والے ملکی اور بین الاقوامی اداروں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

تین پہلو

1
زیرزمین پانی کی دوبارہ بھرائی کے لئے ایک متبادل قدرتی حل فراہم کرتا ہے، جس میں فالتو بہہ جانے والے پانی کو زیرسطح آب اندوخت میں ذخیرہ کرنے کے لئے زیرزمین پانی دوبارہ پیدا کرنے کے طریقوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے۔

2
معاشی سرگرمیوں میں بہتری پیدا کی جائے، غربت میں کمی لائی جائے اور ملک میں ماحول اور ماحولیاتی نظام میں بہتری لائی جائے جس سے موسمیاتی تبدیلی کے اثرات میں کمی آئے گی اور مقابلے کی صلاحیت بہتر ہوگی۔

3
تشکیل میں شرکت پر مبنی سوچ اپنائی جاتی ہے، متعلقہ فریقوں بالخصوص متعلقہ مقامات پر رہنے والے مقامی لوگوں کے ساتھ مشاورتیں کی جاتی ہیں۔

عملی سرگرمیاں

- پراجیکٹ کے اقدامات کے سلسلے میں پیشگی اور مکمل معلومات پر مبنی رضامندی
- اراضی کے استعمال کے لئے سب کی شمولیت پر مبنی منصوبہ بندی
- قدرتی وسائل کا کوئی ضیاع نہیں ہوتا یا دوبارہ بحالی کی ضرورت نہیں پڑتی
- بااختیار کمیونٹیز
- ذرائع معاش میں بہتری
- موسمیاتی خطرات میں کمی

اثرات

1. سندھ طاس میں طرز زندگی کو ماحولیاتی نظام کے مطابق ڈھالتے ہوئے سیلاب کے بگڑتے خطرات میں کمی آئے گی۔
2. سیلاب سے بروقت خبردار کرنے والے نظام نصب کئے جائیں گے۔

اثرات کی پیمائش کے طریقے

صنف کے لحاظ سے الگ الگ اشاریے

- روزگار کے نئے مواقع اور قابل استعمال آمدنی میں اضافہ
- حکومت کے بجٹ خسارے میں کمی
- ماحولیاتی نظام سے متعلق خدمات میں بہتری مثلاً آبی نظم و نسق، غذائی تحفظ اور حیاتیاتی تنوع کا تحفظ
- کاربن کے استعمال سے کنارہ کشی
- صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ ترقی
- سماجی و اقتصادی اشاریے (تعلیم، ثقافت، صحت اور معیار زندگی)

استعمال یا نالیوں کی شکل میں آبپاشی کی نسبت آبپاشی کے عمدہ کارکردگی والے طریقوں میں صرف 20 یا 30 فیصد پانی استعمال ہوتا ہے۔ بیج کی جدت آمیز اقسام کو پکنے میں کم وقت لگتا ہے، یہ کیڑے مکوڑوں کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، پانی کی ضرورت کم پڑتی ہے اور یوں فصلوں کے تواتر میں بھی اضافہ کیا جاسکتا ہے۔ جس سے ظاہر ہے کم وقت اور وسائل میں زیادہ فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ فصلیں اگانے، آبپاشی اور کٹائی کرنے کے طریقوں میں جدت سے زرعی مصنوعات کا معیار اور ان کی قابل استعمال مدت یا شیلف لائف بہتر ہوجاتی ہے اور یوں ویلیو ایڈیشن کی بدولت منافع بڑھ جاتا ہے۔

پاکستان میں تقریباً ڈھائی کروڑ افراد کا روزگار زراعت سے وابستہ ہے اور معاشی طور پر فعال 34 فیصد مردوں اور 74 فیصد خواتین کے لئے آمدنی کا بڑا ذریعہ ہے۔ اس کے باوجود پیداواری وسائل (مثلاً اراضی، آبپاشی کی بنیادی سہولیات، اور زراعت کے لئے استعمال ہونے والی اشیائ) پر ان کا کنٹرول اور ان کی رسائی محدود ہے۔ بہتر ٹیکنالوجیز، ویلیو ایڈیشن اور مارکیٹنگ کے معاملے میں وہ آگاہی کی کمی کا شکار ہیں، جبکہ توسیعی اور مالی خدمات تک ان کی رسائی محدود ہے۔ پاکستان میں گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں سب سے زیادہ حصہ صرف زراعت کا ہے جو 41 فیصد کے لگ بھگ ہے۔ بڑھتی آبادی اور بدلتی غذائی ترجیحات کے پیش نظر توقع ہے کہ بہت جلد خوراک کی طلب میں نمایاں اضافہ ہوجائے گا اور اسی کے مطابق شعبہ زراعت میں گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج بھی بڑھے گا۔ کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر کا طریقہ ان اقدامات پر رہنمائی میں مدد دیتا ہے جو ترقی کے سلسلے میں موثر معاونت اور بدلتے موسمی حالات میں غذائی تحفظ یقینی بنانے کے لئے زرعی نظاموں میں تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہیں۔

کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر کے تین مرکزی مقاصد یہ ہیں:

- زرعی پیداوار اور آمدنی میں پائیدار طریقے سے اضافہ
- طرز زندگی موسمیاتی تبدیلی کے مطابق ڈھالنا اور مقابلے کی صلاحیت بڑھانا
- گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج کم کرنا اور اسے ختم کرنا

کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر متعلقہ فریقوں کو ایسی زرعی حکمت عملیاں وضع کرنے میں مدد دیتی ہے جو ان کے مقامی حالات کے لحاظ سے موزوں ہوں اور موسمیاتی تبدیلی کا جواب بہتر طریقے سے دیں۔ اس سلسلے میں ڈبلیو ڈبلیو ایف پاکستان نے پائیدار زراعت و خوراک پر اپنے پروگرام ایس اے ایف پی کے تحت درج ذیل شعبوں میں کلائمیٹ سمارٹ اقدامات کا تعین کیا اور ان پر تجربات کئے:

- کلائمیٹ سمارٹ فصلوں کا تحفظ
- زمین کی صحت میں بہتری
- کلائمیٹ سمارٹ لائیوسٹاک مینجمنٹ

کلائمیٹ سمارٹ ایگریکلچر کا طریقہ ان اقدامات پر رہنمائی میں مدد دیتا ہے جو ترقی کے سلسلے میں موثر معاونت اور بدلتے موسمی حالات میں غذائی تحفظ یقینی بنانے کے لئے زرعی نظاموں میں تبدیلی لانے کے لئے ضروری ہیں۔

- ایگروفارسٹری کا فروغ
- ذرائع معاش میں بہتری
- پانی کی بچت و تحفظ
- پریسیژن ایگریکلچر کا فروغ

ان تمام شعبوں کے لئے کلائمیٹ سمارٹ اقدامات کے جو نتائج حاصل ہوئے ان کی توثیق ملک کے بڑے زرعی اداروں کے اشتراک سے فیلڈ ٹرائلز کے ذریعے کی گئی۔ نتائج سے پتہ چلا کہ فصلوں کی پیداوار اور تحفظ کے لئے کلائمیٹ سمارٹ طریقے، بہتر آبپاشی، آبی نظم و نسق، بچت و تحفظ پر مبنی کاشت کاری، اور پریسیژن ایگریکلچر کے طریقے اپنانے سے بحیثیت مجموعی گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں 23 فیصد کمی آئی جبکہ فصلوں کی پیداوار میں 22 فیصد اور شرح منافع میں 26 فیصد اضافہ ہوا۔ ایگروفارسٹری اور بڑے پیمانے پر شجرکاری کے پروگرام، گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج کو ملک میں اراضی کے استعمال میں تیزی سے آنے والی تبدیلی اور جنگلات کے خاتمے کی صورتحال سے الگ رکھنے کے لئے اہم ہیں۔

موسمیات کے بدلتے رجحانات کے اثرات ترقی کے عمل پر بھی نمایاں دکھائی دیتے ہیں۔ یہ ماحول، مٹی، پانی، فصلوں اور انسانوں پر بھی اپنا اثر دکھاتے ہیں۔ شدید بارشوں اور خشک سالی جیسے بحرانوں کی وجہ سے بھی مٹی اور فصلوں کی پیداوار پر اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ موسمیاتی تبدیلی سے متعلق بڑھتی آفات کی وجہ سے پانی کے دستیاب بہاؤ کی پیش بینی بے یقینی کا شکار ہوجاتی ہے جس سے حکومتی اور نجی اداروں کی منصوبہ بندی میں رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں۔ اس بناء پر موسمیاتی رجحان سے ہٹ کر بے قاعدہ بہاؤ کی وجہ سے زمینی پانی پر انحصار بڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے پانی کی سطح مزید پست ہوجاتی ہے اور نتیجتاً زمینی پانی کا معیار بگڑنے لگتا ہے۔

پائیدار ترقی اور معاشی افزائش

پائیدار ترقی اور معاشی افزائش کو فروغ دیتے ہوئے ہمیں اس بات کو بھی یقینی بنانا ہوگا کہ ترقی ماحول پر مزید منفی اثرات کا باعث نہ بنے۔

> ”آفات کے جوابی اقدامات کا کوئی مضبوط نظام نہ ہونے سے سالہا سال کی محنت سے کی گئی ترقی کسی ایک بڑے ناخوشگوار واقعے کے ہاتھوں ملیامیٹ ہو سکتی ہے۔“

> ”پاکستان میں گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں سب سے زیادہ حصہ صرف زراعت کا ہے جو41 فیصد کے لگ بھگ ہے۔“

جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے اور تصرف میں اضافہ ہو رہا ہے، عین ممکن ہے کہ اس کا خمیازہ ماحول کو ہی بھگتنا پڑے گا۔ معاشی ترقی سے ماحول پر جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں، ان میں ناقابل تجدید وسائل کے تصرف میں اضافہ، آلودگی کی بلند سطح، عالمی حدت، اور ماحولیاتی لحاظ سے اہم مخلوقات اور حیاتیاتی تنوع کا ممکنہ نقصان شامل ہیں۔ تاہم ضروری نہیں کہ ہر طرح کی معاشی ترقی ماحول کے لئے نقصان دہ ثابت ہو۔ تمام اقدامات کی فزیبلٹی میں تحفظ ماحولیات کے اخراجات کو شامل کرنا اور ”نو گو ایریاز“ کا تعین اور ان کا تحفظ اہم ہے۔ آمدنی بڑھنے سے افراد، کاروباری اداروں اور حکومت کے لئے تحفظ ماحولیات اور آلودگی کے ضرر رساں اثرات کم کرنے کے لئے وسائل مختص کرنے کی صلاحیت بڑھ جاتی ہے۔ بہتر ٹیکنالوجی کی بدولت ہونے والی معاشی ترقی سے کم آلودگی کے ساتھ زیادہ پیداوار بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

اس ضمن میں وزارت موسمیاتی تبدیلی کا کردار انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ یہ موسمیاتی آفات سے نمٹنے کی قومی پالیسی، منصوبے، حکمت عملیاں اور پروگرام پہلے ہی وضع کر چکی ہے جن میں تحفظ ماحولیات، آلودگی پر کنٹرول، جنگلات، جنگلی حیات، حیاتیاتی تنوع، موسمیاتی تبدیلی اور صحراؤں کے پھیلاؤ سے متعلق اقدامات شامل ہیں۔ وزارت موسمیاتی تبدیلی کو پہلے سے تشکیل شدہ ان پالیسیوں اور روڈ میپ کو قانونی شکل دینا ہے اور عملی جامہ پہنانا ہے جن کا وعدہ پاکستان، پیرس معاہدے اور کیوٹو پروٹوکول کے علاوہ پائیدار ترقی کے عالمی مقاصد (ایس ڈی جی) کے سلسلے میں بھی کر چکا ہے کیونکہ ان میں سے زیادہ تر مقاصد بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر پائیدار ماحول پیدا کرتے ہیں۔

نقطہ نظر

شہری زبوں حالی

> ”آنے والے سالوں میں آفات کے تواتر میں اضافے کی پیش گوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں پالیسی فریم ورکس کے ساتھ ساتھ کمیونٹی سطح کے اقدامات کی شکل میں ایسی راہیں نکالنا ہوں گی جو ہمارے شہری ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔“

سندس شاہد

اربن رزیلئنس ایکسپرٹ

شہروں کا پھیلاؤ دورحاضر کا عالمگیر رجحان ہے اور پاکستان بھی اس سے مبرا نہیں۔ یہاں شہری پھیلاؤ کی شرح جنوبی ایشیا میں سب سے بلند ہے اور 36.1 فیصد آبادی اس وقت شہری علاقوں میں مقیم ہے۔ اقوام متحدہ آبادی ڈویژن کے اندازے کے مطابق یہ تناسب بڑھ کر 50 فیصد آبادی تک پہنچ سکتا ہے۔ شہر جب پھیلتے ہیں تو اقتصادی ترقی، سماجی ترقی اور ماحولیاتی تحفظ کی سرگرمیاں بھی ان کے ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔

شہر وہ مرکزی مقام بھی ہیں جہاں موسمیاتی تبدیلی سے آنے والی آفات کے اثرات سب سے زیادہ دیکھنے میں آتے ہیں۔ طوفانی بارشیں، سیلاب، گرمی کی لہریں، فضاء کا بگڑتا معیار اور پانی کی کمیابی، یہ سب موسمیاتی تبدیلی کے باہم جڑے ہوئے اثرات ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہوئے حالات کو بدتر نہج کی طرف دھکیلتے ہیں۔ جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے اور گنجانی جس انداز میں پھیل رہی ہے، ہمارے شہر اس کے ہم پلہ، بنیادی شہری خدمات اور اپنے باسیوں کے لئے سہولیات دینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔ موسمیات سے پیدا ہونے والی آفات کا جواب دینے اور ان کے اثرات کی شدت میں کمی لانے کے اعتبار سے بھی ہمارے شہر نہ صرف تیاری سے عاری دکھائی دیتے ہیں بلکہ موجودہ صورتحال میں تو سہولیات عام حالات کے تقاضوں کو بھی پورا نہیں کرتیں۔ آنے والے سالوں میں آفات کے تواتر میں اضافے کی پیش گوئیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ہمیں پالیسی فریم ورکس کے ساتھ ساتھ کمیونٹی سطح کے اقدامات کی شکل میں ایسی راہیں نکالنا ہوں گی جو ہمارے شہری ماحول کے تقاضوں کے مطابق ہوں۔

شہروں میں مقابلے کی صلاحیت سے متعلق پالیسی و ادارہ جاتی ڈھانچہ

”پاکستان وژن 2025، ایک قوم - ایک وژن“، حکومت پاکستان کے تمام دیگر قومی اقدامات کے لئے قومی سطح کی رہنما پالیسی ہے جو وفاقی حکومت نے 2014 میں تیار کی۔ اس کے اہم پالیسی مقاصد یہ ہیں: شدت میں کمی لانے کے اقدامات، طرز زندگی ڈھالنے کے اقدامات، توانائی کے شعبے میں سلامتی اور توانائی تک رسائی۔ دیگر قابل ذکر پالیسیوں میں قومی موسمیاتی تبدیلی ایکٹ 2012، پاکستان موسمیاتی تبدیلی ایکٹ 2017، آفات کے خطرات میں کمی کی قومی پالیسی 2013، اور آفات پر جوابی اقدامات کا قومی منصوبہ 2019 شامل ہیں جن میں بہتر باہمی رابطوں کا پالیسی فریم ورک، کمیونٹی سطح پر آفات کے خطرات سے نمٹنے کے اقدامات، مختلف خطرات سے متعلق تحقیقی معلومات پر مبنی ترقی، مقابلے کی صلاحیت کی حامل بنیادی ڈھانچے کی سہولیات، اور آفات کے خطرات میں کمی کے لئے مقامی سطح پر منصوبہ بندی کے سلسلے میں بنیادی خاکہ پیش کیا گیا ہے۔

شہروں میں مقابلے کی صلاحیت بہتر بنانے کے لئے متعدد کاوشوں پر کام جاری ہے جن میں موجودہ حکومت کی جانب سے شروع کی گئی ’صاف سرسبز پاکستان تحریک‘ بھی شامل ہے جس کا مقصد اداروں کو مستحکم بنانا اور نچلی سطح کی سرگرمیوں کے ذریعے اثرات کو کم سے کم کرنا ہے۔

شہروں کو موسمیاتی تقاضوں کے مطابق محفوظ اور پائیدار بنانے سے متعلق منصوبوں کے لئے صوبائی اور مقامی محکموں کے ساتھ کوآرڈینیشن کے لئے وزارت موسمیاتی تبدیلی میں ’کلائمیٹ رزیلئنٹ اربن ہیومن سیٹلمنٹس یونٹ‘ قائم کیا گیا ہے۔ یہ یونٹ بین الاقوامی فنڈز اور ترقیاتی پارٹنرز کے ذریعے منصوبوں پر عملدرآمد میں بھی مدد دیتا ہے۔

اگرچہ یہ تمام ادارے اور پالیسی فریم ورک اپنی جگہ موجود ہیں لیکن ایک ایسی پالیسی کو ٹھوس شکل دینے کا کام ابھی باقی ہے جو شہروں میں آفات و مشکلات کے مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے تقاضے پوری طرح نبھا سکے۔ آبادی میں تیز افزائش کے پیش نظر پاکستان کو ایک ایسے ادارہ جاتی فریم ورک کی اشد ضرورت ہے جو موسمیاتی تبدیلی سے پیدا ہونے والے خطرات کے خلاف شہری علاقوں کے لئے پروگرام سرگرمیاں طے کرے۔

شہری زبوں حالی

ہمیں ایک فیصلہ کن معیار طے کرنا ہو گا کہ ہماری نظر میں ’شہری‘ یا ’اربن‘

شکل 1: پاکستان کے شہر راولپنڈی میں درپیش خطرات

ذریعہ: مصنفہ

سے کیا مراد ہے۔ پاکستان کا ایک بڑا حصہ دیہی ہے لیکن ان دیہی علاقوں میں شہری خصوصیات بھی موجود ہیں۔ دیہی علاقوں کے لوگ چاہتے ہیں کہ ان کے ہاں بھی وہی خدمات، باقاعدہ ڈھانچے اور طرز حکمرانی کے ماڈل ہوں جو شہری علاقوں میں موجود ہیں۔ شہری پھیلاؤ محض یہی نہیں کہ شہروں کی حدود وسیع ہو جائیں اور ان کی گنجانی بڑھ جائے بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ دیہی علاقوں میں بھی شہری خصوصیات پیدا کی جائیں۔ شہری علاقوں میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے پالیسی تشکیل دیتے وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا کہ دیہی علاقے نہ صرف شہری علاقوں میں تبدیل ہو رہے ہیں بلکہ شہری علاقوں میں بھی دیہی خصوصیات موجود ہیں۔ جہاں تک موسمیاتی تقاضوں کے مطابق منصوبہ بندی کا تعلق ہے تو ہمیں ایسے منصوبے وضع کرنا ہوں گے جو اپنے اردگرد پائے جانے والے شہری رجحان کے سیاق وسباق کے مطابق ہوں اور شہری پالیسی فریم ورک کے بھی عکاس ہوں۔ مزید برآں، خطرات کی مکمل معلومات پر مبنی ترقی اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق منصوبہ بندی کو مقامی سطح کی منصوبہ بندی کا حصہ بنانے کے لئے ایک ایسا فریم ورک وضع کرنا ہوگا جو موسمیاتی تبدیلی سے درپیش دیرینہ خطرات کا تدارک کرے۔

زبوں حالی کا دوسرا پہلو مقامی یا بلدیاتی سطح کے حکومتی نمائندوں کی استعداد اور عملی اختیار کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ 2010 میں اٹھارہویں ترمیم کی روشنی میں اختیارات کی نچلی سطح پر منتقلی کے بعد مقامی حکومتوں کو اس مقصد کے تحت ٹھوس شکل دی گئی کہ انہیں فیصلہ سازی کی سرگرمیوں میں زیادہ ذمہ دار بنایا جائے۔ تاہم وہ منصوبوں کی تشکیل اور ان پر عملدرآمد میں بھرپور طریقے سے حصہ لینے کے لئے مناسب سیاسی، مالی اور انتظامی اختیارات کی کمی کا شکار ہیں۔ عدم مرکزیت کی مزید تشکیل اس نقطہ نظر سے ضروری ہے کہ اس سے محض قومی، صوبائی اور مقامی سطح کے اداروں کے درمیان فاصلہ کم نہ ہو بلکہ اس کے ذریعے مقامی سطح پر استعداد میں اضافہ ہو اور وسائل کی منتقلی عمل میں

> ”جیسے جیسے آبادی بڑھ رہی ہے اور گنجانی جس انداز میں پھیل رہی ہے، ہمارے شہر اس کے ہم پلہ، بنیادی شہری خدمات اور اپنے باسیوں کے لئے سہولیات دینے سے قاصر نظر آتے ہیں۔“

آئے۔ایک اور اہم ضرورت اس بات کی ہے کہ مقامی حکومتوں کے عہدیداروں اور نمائندوں کو ایک معقول عرصے تک برقرار رہنے کا موقع دیا جائے تاکہ وہ اپنے شروع کئے ہوئے منصوبوں کو پایہ تکمیل تک بھی پہنچا سکیں۔

مقامی حکومتوں کو اس بناء پر ایک منفرد مقام حاصل ہے کہ وہ زمینی حقائق کے زیادہ قریب ہوتی ہیں اور اوپر بیٹھے پالیسی ساز اور انتظامی حلقوں کے برعکس موسمیاتی تبدیلی سے پیدا ہونے والے خطرات کا گہرا علم رکھتی ہیں۔انہیں مختلف نیٹ ورکس اور کمیونٹی تک بھی رسائی حاصل ہوتی ہے جس کے ذریعے منصوبوں پر عملدرآمد کو زیادہ کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔ اصل میں ہمیں ایک ایسے بے عیب نظام کی ضرورت ہے جس میں طرز حکمرانی کی ہر سطح سے ابلاغ کا عمل آگے بڑھے تاکہ پالیسی اصل حقائق کے علم پر مبنی ہو اور مقامی لوگوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔

ایک اور عذر آفات کے خطرات اور موسمیاتی تبدیلی کی شدت میں کمی سے متعلق معلومات کے لئے حقائق اور اعداد و شمار کی کمی سے متعلق ہے۔ یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ڈیٹا سسٹم مضبوط ہوں تو ایسی پالیسیاں، منصوبے اور فریم ورک وجود میں آتے ہیں جو شہروں میں آفات کے ہر لمحہ بدلتے منظر نامے کا مناسب طریقے سے ازالہ کرتے ہیں۔اس کی بدولت مکمل معلومات پر مبنی فیصلے ہوتے ہیں، عوامی خدمات کے معیار اور افادیت میں بہتری آتی ہے اور وسائل کا استعمال زیادہ عمدہ طریقے سے ہوتا ہے۔مقامی کمیونٹیز سے ڈیٹا حاصل کر کے ان کی شمولیت کو بھی یقینی بنایا جا سکتا ہے جس کی بدولت تمام تر عمل میں سب کی شمولیت میں بہتری آتی ہے۔

شہروں کی سطح پر مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کی منصوبہ بندی کے لئے مکمل معلومات کی روشنی میں ماحولیات کو سمجھنا بھی ضروری ہوتا ہے کیونکہ موسمیاتی تبدیلی کے خطرات اپنی جگہ تنہا نہیں ہوتے بلکہ ان کے ساتھ ترقیاتی عمل سے پیدا ہونے والے خطرات (نقل و حرکت میں اضافہ، اراضی کے استعمال کے لئے منصوبہ بندی کی کمی، طرز حکمرانی کے مسائل) ایک مسائل زدہ پیچیدہ ماحول کو جنم دیتے ہیں۔شکل نمبر 1 میں راولپنڈی شہر میں ظاہر ہونے والے اسباب، اثرات اور نتائج کی ایک جھلک پیش کی گئی ہے۔ یہ ان باریکیوں کو واضح کرتی ہے جو پہلے سے بنے ہوئے ماحول میں موجود ہیں اور جنہیں ہم شہروں کے لئے موسمیاتی تبدیلی اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق حکمت عملیاں اور پالیسیاں وضع کرتے وقت اکثر نظرانداز کر دیتے ہیں۔مثال کے طور پر نقل وحرکت میں اضافے سے فضاء کے معیار پر بھی اثرات مرتب ہوں گے، کوڑا کرکٹ جمع کرنے کے نظام کے لئے مسائل بڑھ جائیں گے، اور پانی و سینی ٹیشن کے نظام میں بھی خلل پیدا ہو جائے گا۔ یہ خطرات آپس میں جس طرح گڈمڈ ہیں، ان کی الجھی گتھی کو دیکھ کر بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ شہروں میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ہمیں ایک ایسی سوچ اپنانا ہو گی جس میں ہر طرح کے خطرات کو پیش نظر رکھا جائے اور ہر طرح کے ڈیٹا سے استفادہ کیا جائے۔

کمیونٹی کہاں ہے؟

بیشتر صورتوں میں اصل خطرہ آبادی کو ہوتا ہے جو موسمیاتی تبدیلی کے ہاتھوں سب سے زیادہ متاثر ہوتی ہے لیکن جو پالیسیاں اور منصوبے ان کی زندگی پر براہ راست اثرات مرتب کرتے ہیں، ان میں انہی لوگوں کو

صنف اور شہری طرز زندگی کا باہمی تعلق

کمیونٹی کی شمولیت کے لئے جو ماڈل اپنائے جائیں وہ صنفی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے چاہئیں جو خواتین اور بچوں کی مختلف ضروریات کو مدنظر رکھیں۔موسمیاتی تبدیلی اور اس سے جڑے خطرات خواتین پر غیر متناسب اثر دکھاتے ہیں کیونکہ وہ زیادہ تر گھر کے کاموں اور گھر کی چار دیواری تک ہی محدود رہتی ہیں اور لیبر مارکیٹ اور میدان سیاست میں ان کی بھرپور نمائندگی نہیں ہوتی۔خواتین کو گھر سے باہر لانا اور اس بات پر ان کی حوصلہ افزائی کرنا بہت ضروری ہے کہ اہم فورمز میں وہ اپنی جگہ بنائیں تاکہ ہم جن منصوبوں پر عملدرآمد کریں وہ ان کے لئے مزید محرومیوں کا باعث نہ بنیں۔

قطعاً کوئی کردار نہیں ہوتا۔ڈیٹا جمع کرنے اور پالیسی تشکیل دینے کی سرگرمیوں کے دوران ہم انہی لوگوں کو نظرانداز کر دیتے ہیں جن کی زندگیاں بہتر بنانے کے لئے ہم کام کر رہے ہیں۔تاہم حقیقت یہ ہے کہ شہر، اس کی خصوصیات اور اس کی زبوں حالی کو خود کمیونٹی سے بہتر کوئی نہیں سمجھتا۔آفات اور موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کے مطابق موزوں منصوبہ بندی اور جوابی اقدامات کے لئے ہمیں ان کے مطالبات کو منصوبہ بندی کے عمل میں باقاعدہ طور پر شامل کرنا ہوگا۔ہمیں ایک کمیونٹی کا احساس پیدا کرتے ہوئے اس بداعتمادی کو دور کرنا ہوگا جو نظام اور حکومتوں کی نااہلی کی وجہ سے سالہا سال سے مقامی لوگوں کے دلوں اور ذہنوں میں رچ بس چکی ہے۔

آئندہ لائحہ عمل

حکومت اگر اپنے عوام، ان کی صلاحیتوں اور مہارتوں پر سرمایہ کاری نہ کرے اور کسی آفت کے بعد اس کے تدارک کے لئے نظام وضع کرتے وقت ان کا اعتماد حاصل نہ کرے تو دنیا کے کسی شہر کی تعمیر نو کا خواب حقیقت نہ بن سکے۔کمیونٹی میں اور شہر کے بنیادی ڈھانچے کی سہولتوں میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنا، الگ الگ کام نہیں لیکن پالیسی سطح پر ان دونوں کے درمیان ایک خلا بدستور موجود ہے جو بحیثیت مجموعی شہروں میں مقابلے کی صلاحیت بڑھانے میں رکاوٹ کا باعث بنتا ہے۔ہمیں اپنے شہروں میں افراد، کمیونٹیز، اداروں، کاروباری اداروں اور خدمات کو مضبوط بنانا ہوگا تاکہ آفات کی شدت میں کمی لائی جا سکے، طرز زندگی ان کے تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے اور ترقی کے سفر کو یونہی رواں دواں رکھا جا سکے۔

پالیسیوں اور اداروں کے ڈھانچوں پر کام کرتے ہوئے ہم اکثر یہ بھول جاتے ہیں کہ ہم اسی ماحول کے لئے منصوبہ بندی کر رہے ہیں جس میں ہم رہتے ہیں، اسی ہوا کے لئے جس میں ہم سانس لیتے ہیں، اسی پانی کے لئے جو ہم پیتے ہیں اور انہی فصلوں کے لئے جو ہماری خوراک بنتی ہیں، یہ سب چیزیں ہمارے اس ماحولیاتی نظام کا حصہ ہیں جسے ہم نے ہر صورت محفوظ بنانا ہے۔شہروں میں مقابلے کی صلاحیت ایک ایسا تصور ہے جس کے ذریعے ہم اپنے اس مقصد کے حصول کے لئے نہ صرف اپنی کمیونٹی بلکہ اپنے شہروں کے بنیادی ڈھانچے کو مضبوط بنا سکتے ہیں۔

> ”شہری علاقوں میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے پالیسی تشکیل دیتے وقت اس حقیقت کو مدنظر رکھنا ضروری ہوگا کہ دیہی علاقے نہ صرف شہری علاقوں میں تبدیل ہو رہے ہیں بلکہ شہری علاقوں میں بھی دیہی خصوصیات موجود ہیں۔“

> ”شہروں میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے ہمیں ایک ایسی سوچ اپنانا ہوگی جس میں ہر طرح کے خطرات کو پیش نظر رکھا جائے اور ہر طرح کے ڈیٹا سے استفادہ کیا جائے۔“

”

معاشی اثرات محض سکے کا
ایک رخ ہیں۔ انسانی پہلو کہیں
زیادہ بدتر رہا ہے۔

“

اہلِ نظر کا نقطہ نظر

کووڈ-19 اور سماجی تحفظ کے لئے پاکستان کے اقدامات- انسانی پہلو

> ”اس پروگرام کا مرکزی پہلو اس میں ڈیٹا کا استعمال ہے جسے وسیع پیمانے پر ڈیجیٹل ذرائع سے ہر طرح کے پروگراموں کو فراہم کیا جاسکتا ہے۔“

ڈاکٹر ثانیہ نشتر

خصوصی معاون وزیر اعظم پاکستان
تخفیف غربت و سماجی تحفظ

کووڈ-19 کے باعث اقتصادی، مالیاتی اور سماجی سرگرمیوں میں پیدا ہونے والا تعطل اپنی نوعیت کے اعتبار سے بے مثال ہے اور لاک ڈاؤن کی وجہ سے 24.9 ملین مزدور اور کارکن متاثر ہوئے ہیں (رسمی اور غیر رسمی معیشتوں سے وابستہ 11.4 ملین روزانہ اجرت پر کام کرنے والے مزدور اور غیر رسمی معیشت میں ذاتی کام کرنے والے 13.5 ملین کارکن)۔ پاکستان میں ایک گھرانے کے افراد کی اوسط تعداد 6.4 ہے جس کی بناء پر اندازہ ہے کہ اس تعطل کی وجہ سے تقریباً 160 ملین افراد متاثر ہوئے جو ملک کی کل آبادی کا دو تہائی بنتے ہیں۔

معاشی اثرات محض سکے کا ایک رخ ہیں۔ انسانی پہلو کہیں زیادہ بدتر رہا ہے۔ ذرائع معاش کے اچانک تعطل نے ہر شخص کو بے بسی سے دوچار کر دیا، چاہے وہ روزانہ اجرت پر کام کرنے والے مزدور تھے یا گھریلو کارکن مثلاً مالی، سکیورٹی گارڈ، ڈرائیور، یا پھر روزانہ اجرت پر کام کرنے والے صنعتی کارکن، بیوٹیشن، حجام، بیرے، کان کن، ماہی گیر، دکاندار، یا اساتذہ، غرض یہ نہ ختم ہونے والی فہرست ہے۔

وباء کے معاشی اثرات کے جواب میں حکومت پاکستان نے احساس ایمرجنسی کیش پروگرام کا آغاز کیا جس کے لئے 203 ارب روپے (تقریباً 1.2 ارب ڈالر) مختص کئے گئے اور انتہائی غربت کے خطرے سے دوچار 16.9 ملین خاندانوں کو نقد رقم کی شکل میں ایک بار ہنگامی امداد فراہم کی گئی۔

احساس وہ مرکزی پروگرام ہے جس کے توسط سے حکومت ایک فلاحی ریاست کی تعمیر کے لئے پرعزم ہے۔ اس کے تحت کل 260 پروگراموں اور منصوبوں کا آغاز کیا گیا ہے جن کا مقصد سیفٹی نیٹ، حفظان صحت تک رسائی، طلبہ کے لئے وظائف و مراعات، اور روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہے اور ڈیجیٹل و مالی شمولیت کو آگے بڑھانا ہے۔ احساس کی جانب سے مستحقین کے لئے ایک یکساں نظام وضع کرنے پر کام جاری ہے جس کے تحت ہر پروگرام کے لئے ”پی ایم ٹی کٹ آف“ (PMT Cut-Off) طے کر دیئے گئے ہیں تاکہ ان لوگوں کو غربت سے نکلنے کے قابل بنایا جا سکے۔ علاوہ ازیں، احساس سے مستفید ہونے والے آبادی کے مختلف طبقات کو ایک ترتیب میں لایا جائے گا تاکہ مختلف پروگراموں سے بار بار فائدہ اٹھانے کی روک تھام کی جا سکے۔ اس پروگرام کا مرکزی پہلو اس میں ڈیٹا کا استعمال ہے جسے وسیع پیمانے پر ڈیجیٹل ذرائع سے ہر طرح کے پروگراموں کو فراہم کیا جا سکتا ہے اور بڑے پیمانے پر عملدرآمد یقینی بنایا جا سکتا ہے۔ ان اقدامات کی بدولت مختلف پروگراموں کے ذریعے کسی ایک بینیفشری کو ملنے والی تمام مراعات کی مکمل شفافیت یقینی بنائی گئی ہے۔

ایک اور اہم پہلو یہ ہے کہ مستقبل میں سماجی تحفظ کی سرگرمیوں کو آگے بڑھانے پر ممکنہ مستحقین کو تمام خدمات ایک ہی جگہ، طبعی اور ڈیجیٹل دونوں صورتوں میں میسر ہوں گی۔ اسے عملی جامہ پہنانے کے لئے احساس کی جانب سے ون ونڈو سنٹر قائم کئے جا رہے ہیں، احساس ایپ شروع کی جا رہی ہے اور احساس ای پورٹل بنائی جا رہی ہے جس کے ذریعے احساس کی تمام خدمات کو آپس میں جوڑ دیا جائے گا۔

انٹرویو

فرانسسکو جے سانتوز جارا پیڈرن

علاقائی مشیر
ذرائع معاش، اقتصادی بحالی و نقل مکانی
علاقائی بیورو برائے ایشیا و پیسفک

> ” مقابلے کی صلاحیت محض بحرانوں سے نمٹنے کے انتظامات کا نام نہیں بلکہ ہمیں اس قابل ہونا چاہئے کہ ہم بحرانوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے نظاموں اور کمیونٹیز کو بدل سکیں “

آپ کی رائے میں ایشیا پیسفک کے خطے کو کون کون سے بحرانوں کا سامنا ہے اور مقابلے کی صلاحیت میں کون کون سی مشکلات درپیش ہیں؟

بحران دن بہ دن کثیر رخی شکل اختیار کر رہے ہیں اور اب بات محض قدرتی آفات سے پیدا ہونے والے بحرانوں تک محدود نہیں رہی بلکہ نازک حالات و تنازعات، سماجی اتصال، ہوشربا عدم مساوات اور سماجی و اقتصادی مشکلات بھی اپنا بھرپور اثر دکھاتی ہیں۔ بحران جس طرح کثیر رخی شکل اختیار کر رہے ہیں، اس کے پیش نظر یہ بات بھی اہم ہے کہ ان سے نمٹنے اور ان کی روک تھام کے لئے محض روایتی سوچ اور طریقوں تک محدود نہ رہا جائے۔

ایشیا پیسفک اور اس کے ساتھ ساتھ پوری دنیا کو درپیش سب سے بڑا بحران موسمیاتی تبدیلی کا ہے اور یہ وہ بحران ہے جس میں خطے میں آنے والے تمام بحرانوں کی خاصیتیں یکجا ہوگئی ہیں۔ صحیح معنوں میں یہ واقعی ’موسمیاتی ایمرجنسی‘ والی صورتحال ہے کیونکہ اس کے اثرات دن بہ دن نمایاں ہو رہے ہیں اور لاکھوں افراد کے نہ صرف ذرائع معاش بلکہ ان کی زندگیاں بھی اس کی زد میں آچکی ہیں۔

ایشیا پیسفک کے خطے میں یہ ایک طرح کی ہنگامی صورتحال ہے اور اصل میں بقاء کا معاملہ ہے۔ یو این ڈی پی بعض ممالک میں ’کلائمیٹ پرامس‘ (Climate Promise) کے تحت جو کام کر رہا ہے وہ ہجرت اور نقل مکانی سے جڑا ہے اور یہ موسمیاتی واقعات کے بڑھتے اثرات سے نمٹنے کے انتظامات سے متعلق ہے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو ہماری نظر شہری پھیلاؤ کے محرکین پر بھی ہے جو مسائل حل کرنے کے فطری طریقوں کے ساتھ جڑے ہیں۔ اس سلسلے میں ایک کاوش جس پر ہم مل کر کام کر رہے ہیں، اس کے تحت بے قاعدہ شہری علاقوں میں رہنے والے کمزور طبقات پر کووڈ-19 کے بگڑتے سماجی و اقتصادی اثرات کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ علاقے ہیں جہاں دیہی علاقوں سے ہجرت کرنے والے اور نقل مکانی کرنے والے دیگر لوگ مقامی غریب کمیونٹیز کے ساتھ مل کر رہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں آزمائشی پروگرام کے تحت کراچی کے ایک علاقے کا انتخاب کیا جا رہا ہے۔ یہ وہ شعبہ ہے جس کے تحت پورے خطے میں اور کئی مختلف شعبوں مثلاً آفات کے خطرات میں کمی، طرز حکمرانی، قانون کی حکمرانی، موسمیاتی تبدیلی اور ذرائع معاش کے حوالے سے اشتراک عمل

> ”خطے میں بحرانوں کے مختلف پہلوؤں اور متعدد خطرات کو پیش نظر رکھیں تو مقابلے کی صلاحیت بڑھانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ مختلف خطرات کو آپس میں ضم کر دیا جائے۔“

اور اتحاد تشکیل دینے کی بے پناہ گنجائش موجود ہے۔ اگرچہ اس وقت کووڈ-19 کو ترجیحی حیثیت مل رہی ہے لیکن وباء کی کثیر رخی نوعیت کے پیش نظر دیگر بحرانوں کو بالائے طاق نہیں رکھا جا سکتا۔

آپ کے خیال میں ان بحرانوں سے نمٹنے کے لئے کون سی حکمت عملیاں کامیاب رہی ہیں؟

خطرات کس طرح بڑھتے اور پنپتے ہیں، یواین ڈی پی اس سلسلے میں پروگرام سازی پر مبنی سوچ کے تحت کام کر رہا ہے جس میں خطرات کی معلومات پر مبنی ترقی کے پانچ شعبوں کو سمو دیا گیا ہے جو باہم ایک دوسرے سے جڑے ہیں اور ایک دوسرے کی قوت بھی ہیں۔ یواین ڈی پی اس ضمن میں ممالک کو ترقیاتی پالیسی اور عملدرآمد کی حکمت عملی کے سلسلے میں مدد دے رہا ہے اور پاکستان میں اس پر خاطر خواہ تحقیق ہو چکی ہے۔

تحقیق سے جو معلومات جمع ہوئی ہیں، ان میں سے ایک اہم معلومات جو ہمارے پانچ میں سے ایک شعبے کے لئے بنیاد کا کام بھی دیتی ہیں، فنڈز تک رسائی میں پیش آنے والے مسائل سے متعلق ہیں۔ تاہم کئی دیگر مشکلات کی نشاندہی بھی ہوئی ہے جو استعداد اور عملدرآمد سے متعلق ہیں۔

بحرانوں سے نمٹنے کا ایک طریقہ ہجرت اور نقل مکانی ہے جو موسمیاتی ایمرجنسی کے ساتھ جڑا ہے اور ایشیا پیسفک کے خطے کے لئے یہ اس کی بقاء کا معاملہ ہے۔ مقابلے کی صلاحیت محض بحرانوں سے نمٹنے کے انتظامات کا نام نہیں بلکہ ہمیں اس قابل ہونا چاہئے کہ ہم بحرانوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے نظاموں اور کمیونٹیز کو اس طرح بدل سکیں کہ یہ مستقبل میں پیدا ہونے والی مشکلات اور آفات کا بہتر طریقے سے جواب دے سکیں اور ان کے لئے پوری طرح تیار ہوں۔ لہٰذا، اصل میں یہ ہمارے لئے ایک انقلابی تبدیلی لانے کا موقع ہے۔

مثال کے طور پر کووڈ-19 نے ہماری زندگیوں اور ذرائع معاش پر بے پناہ اثرات چھوڑے ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی طے ہے کہ اس نے ہمارے لئے موقع پیدا کر دیا ہے کہ اب تک ہم ترقی کے لئے جو طریقے اپنانے کے مشورے دیتے رہے ہیں یا جن پر کام کرتے رہے ہیں، ان پر نظر ثانی کریں۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ترقی کے سفر میں آگے بڑھنے کے لئے ہم ان طریقوں پر کام جاری نہیں رکھ سکتے جو قدرتی وسائل کے بے تحاشا استعمال پر تکیہ کرتے ہیں۔ ترقی کی یہ راہیں آبادی کے بیشتر طبقات کو پیچھے چھوڑ دیتی ہیں۔

مزید تفصیل میں جائیں تو پاکستان میں خطرات میں کمی لانے کے جن پروگراموں پر کام کیا گیا ہے ان میں شمالی علاقہ جات میں گلیشئر جھیلوں سے پیدا ہونے والے سیلاب سے نمٹنے کے انتظامات کا دائرہ وسیع کرنے کا پروگرام بھی شامل ہے جو نہ صرف پاکستان کے لئے بلکہ ایک مثال کے طور پر کئی دوسرے ممالک کے لئے بھی بہت اہم ثابت ہوا ہے۔ پاکستان میں طرز زندگی موسمیاتی تبدیلی کے مطابق ڈھالنے اور اس کی شدت میں کمی لانے میں ادارہ جاتی معاونت کا پروگرام بھی بہت اہم ہے۔ ایک شعبہ جس پر مزید توجہ دینے کی ضرورت ہے، وہ یہ ہے کہ بحرانوں سے نمٹنے کے ان انتظامات کو مسلسل تبدیلی کے نظاموں کی شکل دی جائے اور اس سلسلے میں مختلف علاقوں میں مقامی سطح پر جو طریقے اپنائے جاتے ہیں ان سے بھی سبق حاصل کیا جائے۔

لہٰذا، اب ہم اس بات کا جائزہ بھی لے رہے ہیں کہ علاقائی حکام اس سلسلے میں کس طرح تبدیلی کے علمبردار بن سکتے ہیں تاکہ آبادی کے کمزور طبقات اس سفر میں پیچھے نہ رہ جائیں۔

مستقبل میں ترقی کے لئے خطرات کی معلومات پر مبنی سوچ کی روشنی میں اگر طرز زندگی کو موسمیاتی تبدیلی کے مطابق ڈھالنے اور آفات کے خطرات میں کمی کے اقدامات کو تنازعات کی روک تھام کی سرگرمیوں میں ضم کیا جائے تو دیگر خطرات اور مقابلے کی صلاحیت کے دیگر پہلوؤں کو بھی اس کا حصہ بنانا ہوگا۔ خطے میں بحرانوں کے مختلف پہلوؤں اور متعدد خطرات کو پیش نظر رکھیں تو مقابلے کی صلاحیت بڑھانے کا بہترین طریقہ یہی ہے کہ مختلف خطرات کو آپس میں ضم کر دیا جائے۔

کووڈ-19 کے پیش نظر، کمزور طبقات کا سماجی و اقتصادی مستقبل کیسا ہوگا؟

یہ ایک انتہائی اہم پہلو ہے اور اس پر مشترکہ بحث کی ضرورت ہے کیونکہ صحت ہو یا معیشت و معاشرت، اس کثیر رخی بحران کے مکمل اثرات ابھی کھل کر سامنے آنا باقی ہیں۔ اس بحران کے ابتدائی مراحل کے دوران مجھے یو این ڈی پی بنکاک ریجنل ہب میں 'کووڈ-19 کرائسس رسپانس ٹاسک فورس' کے ساتھ مل کر سماجی و اقتصادی اثرات کے تجزیہ پر کام کرنے کا موقع ملا اور اس وقت میں اقوام متحدہ کے لئے جمہوریہ کوریا میں سماجی و اقتصادی اثرات کے تجزیہ کی قیادت بھی کر رہا ہوں۔ پورے خطے میں سماجی و اقتصادی اثرات کے تجزیئے تیار کرنے سے یواین ڈی پی کو آبادی کے ان طبقات پر بھی اس کے اثرات کو بہتر طور پر سمجھنے اور ان کا تجزیہ کرنے کا موقع ملا ہے جنہیں عام حالات میں نظرانداز کر دیا جاتا ہے، مثلاً مہاجرین، پناہ گزین، وغیرہ۔

اس بحران نے ہمیں جس اصول سے روشناس کرایا ہے وہ محض یہ نہیں کہتا کہ کوئی پیچھے نہ رہ جائے، بلکہ اصول یہ ہے کہ پورے معاشرے والی سوچ اختیار کی جائے یعنی کسی بھی معاشرے کا کمزور ترین طبقے کی مضبوطی کو بحیثیت مجموعی معاشرے کی مضبوطی تصور کیا جائے گا۔

اگر آبادی کے وہ طبقات جنہیں روایتی طور پر پیچھے چھوڑ دیا جاتا ہے، کثیر رخی غربت کا شکار ہیں، مختلف خدمات مثلاً صحت، تعلیم اور سماجی تحفظ تک ان کی قابل اعتبار رسائی محدود ہے تو صورتحال کا تقاضا ہے کہ ترقی اور بحالی کے لئے تجویز کئے گئے روایتی طریقوں پر نظر ثانی کی جائے۔

کئی ممالک میں ہم اپنے تجزیئے میں اس بات کا جائزہ بھی لے رہے ہیں کہ فطرت کے ساتھ ہمارا میل جول اور برتاؤ کیسا ہے۔ نیشنل ہیومن ڈویلپمنٹ رپورٹ، 2020، میں اس بات کی واضح طور پر نشاندہی کی گئی ہے کہ ہم کرہ ارض پر اس قدر بھیانک اثرات مرتب کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے اس دور کو ان اثرات کا دور بھی کہہ سکتے ہیں۔ اس سے ہمیں مستقبل کے لئے مقابلے کی صلاحیت بڑھانے کے طریقے طے کرنے میں مدد ملتی ہے۔

مستقبل کیسا لگتا ہے؟ مستقبل کا بحران کسی اور نوعیت کا ہوگا۔ بحران کے اثرات جس حد تک اور جس پیچیدگی کے

> ”پروگرام کی تشکیل اس انداز میں ہونی چاہئے کہ یہ پائیدار ہو، اس میں خطرات کی معلومات کو سامنے رکھا جائے اور یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ ماحول کس قدر نازک ہے اور موسمیاتی تبدیلی کے اس دور کے حقائق کیا ہیں۔“

ساتھ اب تک سامنے آچکے ہیں، ان کے پیش نظر مستقبل قریب خوفناک دکھائی دیتا ہے۔ اس کا انحصار، لگتا ہے اس بات پر ہوگا کہ وباء سے متاثر ہونے والے زیادہ تر ممالک میں معاشرے کے تمام طبقات کو کتنی تیزی سے ویکسین دی جاتی ہے، جس کی رفتار فی الوقت ویسی نہیں ہے جو ہونی چاہیئے۔ لہٰذا، اب ہم اس بات کا جائزہ لے رہے ہیں کہ جن ممالک کے پاس ویکسین مہم کے لئے ضروری وسائل نہیں ہیں، انہیں اس میں کس طرح مدد دی جائے۔ وائرس کسی میں تمیز نہیں کرتا، اس لئے بحالی میں بھی امتیاز نہیں برتا جاسکتا۔ بحالی کے عمل میں جب تک ہر فرد کو ویکسین میسر نہیں ہوگی، بحالی صحیح معنوں میں نہیں ہوگی۔

شام کے شاعر اڈونیس کہتے ہیں کہ بدی میں نیکی کی پہچان کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ کووڈ-19 کی وجہ سے بے پناہ جانی و مالی نقصان ہوا ہے، یہ اس امر کی المناک یاددہانی بھی کراتا ہے کہ ترقی کی جن راہوں پر ہم عمل پیرا تھے، ان پر آگے بڑھنے کا سلسلہ ہم جاری نہیں رکھ پائیں گے۔ اس بات کو یقینی بنانا ہوگا کہ ہر فرد معاشی افزائش، روزگار، اور وقت آنے پر ترقی کے ثمرات سے مستفید ہو، سماجی تحفظ کی سکیمیں ایک نئی سوچ کے تحت تشکیل دینا ہوں گی، ترقی کی نئی راہوں کے لئے ڈیجیٹل طریقے اپنانا ہوں گے جو رازداری یا پرائیویسی کے اعتبار سے بعض مشکلات کو بھی جنم دیں گے اور اس امر کو یقینی بنانا ہوگا کہ حکومت اور ریاستیں اس بحران کو عذر کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ایسے سازگار ماحول کی جانب قدم نہ بڑھائیں جس میں معاشرے کے تمام طبقات آزادانہ اور بامعنی انداز میں حصہ لے سکیں اور اپنا کردار ادا کرسکیں۔ اس کے لئے زیادہ سے زیادہ اشتراک عمل اور ایڈووکیسی سرگرمیوں کی ضرورت ہے اور ریاستوں، سول سوسائٹی اور ترقیاتی پارٹنرز کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا ہوگا۔

لہٰذا، بحران کو ہمیں ایک ایسے موقع کے طور پر دیکھنا ہوگا جس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے نوجوانوں اور دیگر کمزور طبقات کو ڈیجیٹل ذرائع سے ساتھ ملاتے ہوئے مسائل کے فطرت پر مبنی حل نکالیں۔ لیکن ڈیجیٹل ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے اور یوں بحالی کی راہ پر آگے بڑھتے ہوئے ہمیں اس امر کو یقینی بنانا ہوگا کہ مردوں اور خواتین کے درمیان، شہری اور دیہی کے درمیان، اور کمزور طبقات کے درمیان خلاء مزید نہ بڑھنے پائے۔ مثال کے طور پر، ہوائی میں وفاقی حکومت نے کووڈ-19 کے بحران کی صورت میں پیدا ہونے والے موقع سے فائدہ اٹھایا اور بحالی کے عمل کو صنف پر مبنی ایجنڈا کے تحت آگے بڑھایا۔

آخری بات، پروگرام کی تشکیل اس انداز میں ہونی چاہئے کہ یہ پائیدار ہو، اس میں خطرات کی معلومات کو سامنے رکھا جائے اور یہ بھی پیش نظر رکھا جائے کہ ماحول کس قدر نازک ہے اور موسمیاتی تبدیلی کے اس دور کے حقائق کیا ہیں۔ وہ سارے 'ویلیو چین' جو دم توڑ رہے ہیں، ہمارے ماحول پر منفی اثرات مرتب کررہے ہیں، اور موسمیاتی تبدیلی کے اثرات میں مزید بگاڑ کا باعث بن رہے ہیں، ہم ان پر مزید وسائل لگانے کا سلسلہ جاری نہیں رکھ سکتے۔ روزگار اور ذرائع معاش کے حوالے سے ہم ابھرتے ہوئے نئے شعبوں اور اقتصادیات کی نئی راہوں کا جائزہ لے رہے ہیں جن کی بدولت مواقع پیدا کئے جاسکیں۔ اس کے علاوہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ طویل مدت میں نئی طرز کے اس معاشرے کا جواب کیا ہونا چاہئے، کیونکہ مستقبل میں مسائل کے حل نکالنے کے لئے یہی معلومات ہمارے کام آئیں گی۔ ہمیں ممالک کو پائیدار اور سب کی شمولیت پر مبنی بنانے کے لئے درست مہارتوں اور ہتھیاروں سے لیس کرتے ہوئے پالیسیوں اور طریقوں میں اپنی سوچ کو اپنی آرزوؤں کے مطابق ڈھالنا ہوگا۔

مقابلے کی پائیدار صلاحیت پیدا کرنے کی طویل مدتی حکمت عملی کی تیاری میں آپ کے نزدیک نجی شعبے کا کردار کیا ہوگا؟

مستقبل میں نجی شعبے کا کردار ناگزیر اہمیت کا حامل ہے، نہ صرف ترقیاتی مقاصد کے حصول میں فنڈز کی کمی کو دور کرنے کے لئے بلکہ اس لئے بھی کہ بیشتر مسائل کے حل نجی شعبے کے پاس پہلے سے موجود ہیں۔

جب ہم نجی شعبے کی بات کرتے ہیں تو سب سے پہلے بڑی بڑی فرمیں ہمارے ذہن میں آتی ہیں۔ لیکن چھوٹے چھوٹے کاروباری اداروں کو بھی اپنا اہم کردار ادا کرنا چاہیئے، اور اس سلسلے میں انہیں مدد ملنی چاہیئے۔

مثال کے طور پر بعض انتہائی کمزور طبقات، مثلاً پناہ گزینوں یا مہاجرین یا قدرتی آفات کی وجہ سے نقل مکانی کرنے والے طبقات کو اکثر قلیل مدتی حل کے طور پر ایمرجنسی روزگار اور اپنے کاروبار کے ہنر میں تربیت وغیرہ دی جاتی ہے لیکن انجام کار یہ طریقہ کارگر ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ہمیں جن کثیر رخی خطرات کا سامنا ہے، ان کے اثرات کا دائرہ وسیع ہے۔ ان خطرات پر نجی شعبے سمیت مختلف پارٹنرز کو ساتھ لے کر چلنا ہوگا۔

میری رائے میں، اگر ہم بحران کے اثرات، کام کرنے کے نئے انداز اور گھر سے کام کرنے کی نئی حقیقت کے ساتھ ساتھ ڈیجیٹلائزیشن اور انٹرنیٹ تک رسائی پر نظر دوڑائیں تو میں مختلف شعبوں بالخصوص ڈیجیٹائزیشن کے حوالے سے پالیسی اور مسائل کے حل نکالنے کے لئے نجی شعبے کی حمایت پر زور دوں گا۔ انٹرنیٹ تک رسائی کو اس نظر سے دیکھنا ہوگا کہ یہ عوامی فلاح کا ایک ذریعہ ہے، کیونکہ مستقبل میں ڈیجیٹل کا استعمال مزید بڑھ جائے گا اور اسی کے ذریعے مسائل کے حل نکالے جائیں گے۔ قومی اور علاقائی سطح پر مسائل حل کرنے کے ان طریقوں کو عملی جامہ پہنانے میں نجی شعبے کا کردار ناگزیر حیثیت رکھتا ہے۔

جب ہم ذرائع معاش یا مہارتوں پر نظر ڈالتے ہیں تو یہ محض قلیل مدتی روزگار کی بات نہیں ہوتی۔ ہم کسی خوف کے بغیر چوتھے صنعتی انقلاب کی راہ پر بڑھ رہے ہیں۔ جو ممالک اس انقلاب سے گزر چکے ہیں، وہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ روزگار یا ذرائع معاش کے مواقع کی تعداد کئی گنا بڑھ چکی ہے۔ یہاں ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ یو این ڈی پی اس کے لئے فعال اور لچکدار طریقے نکالنے میں کس طرح حکومتوں کی مدد کرتا ہے۔ اس ضمن میں پاکستان میں بے پناہ استعداد موجود ہے۔ اصل ضرورت اس چیز کی ہے کہ ہم مل کر اپنی آرزوؤں کے مطابق لچکدار ماحول پیدا کریں جس میں ممالک کسی بھی مشکل کا مقابلہ کرنے کے لئے بہتر طور پر تیار ہوں۔

> ”مستقبل کیسا لگتا ہے؟
> مستقبل کا بحران کسی اور نوعیت کا ہوگا۔“

انٹرویو

محمد عبداللہ خان سنبل

چیئرمین

پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ بورڈ، حکومت پنجاب

> ” بحرانوں کے جوابی اقدامات میں ایک فارمولہ ہر جگہ نہیں چلتا کیونکہ ہر بحران کی نوعیت، اس کا دائرہ اور اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ “

آپ کے خطے میں بحرانوں اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق کون کون سی مشکلات درپیش ہیں؟

پنجاب کئی مختلف اقسام کے بحرانوں سے گزر چکا ہے اور مقابلے کی صلاحیت کے حوالے سے یہاں کئی مشکلات درپیش ہیں۔ ان میں سیلاب، زلزلے، ٹڈی دل، اور سب سے بڑھ کر کووڈ-19 کی موجودہ وباء شامل ہیں۔ پلاننگ اینڈ ڈویلپمنٹ بورڈ میں معمول کا طریقہ یہ ہے کہ ہم مثال کے طور پر سیلاب یا ٹڈی دل یا ایسا کوئی بحران جو مستقبل قریب میں پیدا ہونے کا خدشہ ہو، اس کے خطرات کی شدت میں کمی اور روک تھام کے لئے بجٹ مختص کر دیتے ہیں۔ بجٹ میں رقوم کی تخصیص کے علاوہ ان تمام اقدامات کو مناسب طریقے سے عملی جامہ پہنانے کے لئے بجٹ کا بروقت اجراء بھی ناگزیر ہے۔ سیلاب یا کسی دوسرے بحران سے متعلق حفظ ما تقدم کے بروقت اقدامات بھی کسی چیلنج سے کم نہیں۔ ہر جگہ ایک فارمولہ نہیں چلتا بلکہ ہر سال ہمیں ایک نئی حکمت عملی وضع کرنا پڑتی ہے جس میں اس وقت کے ترقیاتی اور اقتصادی سیاق وسباق کو ذہن میں رکھا جاتا ہے اور ان آفات کی شدت میں کمی اور روک تھام کے اقدامات وضع کئے جاتے ہیں اور بروقت خبردار کرنے کے نظام تشکیل دیئے جاتے ہیں۔ ہمارے لئے اب یہ روز کا معمول بن کر رہ گیا ہے کہ ہم مستقل ایک ہی چیز کے بارے میں سوچ بچار کرتے رہتے ہیں اور اسی پر ہر نئے دن کے ساتھ، نئی حکمت عملی بناتے رہتے ہیں۔

کووڈ-19 یکسر منفرد نوعیت کا چیلنج ہے جس میں ہم بیک وقت اقدامات پر عملدرآمد کر رہے ہیں، ان سے سیکھ رہے ہیں، مسائل کو دور کر رہے ہیں اور حکمت عملیوں کا ازسرنو جائزہ لے رہے ہیں۔ محدود وسائل اور طبی عملہ و سہولیات کی کمی ایک چیلنج بن کر سامنے آئی جس سے نمٹنا ضروری تھا۔ کسی بھی حکومت کے لئے پیدا ہونے والا ایک اور چیلنج یہ مخمصہ ہے کہ بحران پر جوابی اقدامات اور سماجی و اقتصادی ترقی کے درمیان توازن کس طرح برقرار رکھا جائے کیونکہ جب آپ ان اقدامات کے لئے فنڈز مختص کرتے ہیں تو آپ کو دیگر اخراجات کے بجٹ سے کٹوتیاں کرنا پڑتی ہیں۔ مثال کے طور پر کووڈ کی پہلی لہر کے دوران جب پنجاب میں ٹیکسوں کی ریونیو وصولی پہلے ہی کم تھی، ہمیں نہ صرف کووڈ سٹریٹجی کے لئے فنڈز الگ کرنا پڑے بلکہ کاروباری اداروں کو 18 ارب روپے کی ٹیکس ریلیف بھی دینا پڑی تاکہ کاروبار معیشت رواں رہے۔

© ndma

ان مشکلات سے متعلق کلیدی حکمت عملیاں کیا ہیں؟ کیا یہ کامیاب رہی ہیں؟

میں پھر وہی بات کروں گا کہ بحرانوں کے جوابی اقدامات میں ایک فارمولہ ہر جگہ نہیں چلتا کیونکہ ہر بحران کی نوعیت، اس کا دائرہ اور اثرات مختلف ہوتے ہیں۔ تاہم عام معانی میں ہمارے ہاں یہی ٹھیک رہا ہے کہ بحران کی جوابی حکمت عملی کو سالانہ کارروائی میں ضرور شامل کیا جاتا ہے۔ ہم ہر سال اس امر کا پورا اہتمام کرتے ہیں کہ بجٹ رقوم مختص کرنے سے پہلے ایک خاص رقم بحرانوں کے جوابی اقدامات اور ان کی شدت میں کمی لانے کی حکمت عملیوں کے لئے ایک طرف کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں بروقت خبردار کرنے والے نظام وضع کئے جاتے ہیں مثلاً سیلاب یا ٹڈی دل کے بارے میں خبردار کرنے کے لئے موسمیاتی پیش گوئیاں وغیرہ اور ہر سال نئی معلومات یا پیش گوئیوں کی روشنی میں حکمت عملی پر نظر ثانی کی جاتی ہے۔ اسی طرح مختص شدہ رقوم کا بروقت اجراء بھی ناگزیر ہے جس کے بغیر کسی حکمت عملی پر کام نہیں ہوسکتا۔

علاوہ ازیں، داخلی سطح پر تنقید کے باوجود ہم نے ایک نئی حکمت عملی یہ اپنائی ہے کہ اپنے بجٹ کو زیادہ سے زیادہ شمولیت پر مبنی بنا رہے ہیں تا کہ عوامی حلقوں میں پالیسی سازی کے حوالے سے ملکیت کا احساس بہتر بنایا جا سکے۔ مثال کے طور پر گزشتہ سال جون میں حتمی بجٹ کے اجراء سے قبل ہم نے عبوری بجٹ منصوبہ کو عوام کے سامنے پیش کیا اور تمام حلقوں کو دعوت دی کہ وہ اس پر اپنی آراء دیں۔ اس پر جو جوابات موصول ہوئے ان میں سے کم از کم 1300 تجاویز خاصی معقول تھیں۔ بجٹ تخصیص پر عوام کو اپنی تجاویز پیش کرنے کا موقع دینے سے بجٹ کے بارے میں ملکیت کا احساس بڑھتا ہے اور حکومت پر عوام کا اعتماد مضبوط ہوتا ہے۔

مقابلے کی پائیدار صلاحیت پیدا کرنے کی طویل مدتی حکمت عملی کی تیاری میں آپ کے نزدیک دیگر متعلقہ فریق کیا کردار ادا کرسکتے ہیں؟

تمام دیگر صوبوں کی طرح حکومت پنجاب بھی نجی شعبے کے ساتھ مل کر کام کرنے میں گہری دلچسپی لیتی ہے۔ تاہم حکومتی حکام کے حوالے سے نجی شعبے میں اعتماد کا شدید فقدان ہے جس کی وجہ سے مل کر کام کرنے اور آگے بڑھنے کی بہت کم گنجائش رہ جاتی ہے۔ سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان اشتراک عمل کے میدان میں ابھی ہم

> ”کووڈ-19 یکسر منفرد نوعیت کا چیلنج ہے جس میں ہم بیک وقت اقدامات پر عملدرآمد کر رہے ہیں، ان سے سیکھ رہے ہیں، مسائل کو دور کر رہے ہیں اور حکمت عملیوں کا از سر نو جائزہ لے رہے ہیں۔“

سیکھنے کے مرحلے سے گزر رہے ہیں اور اس میں وقت کے ساتھ ہی بہتری آئے گی۔ مثلاً کووڈ-19 کے دوران احساس کیش ٹرانسفر پروگرام کے سلسلے میں حکومت پنجاب اور وفاقی حکومت نے مالیاتی شعبے کے بینکوں کے ساتھ مل کر بڑے موثر طریقے سے کام کیا۔ اس بناء پر سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان اشتراک عمل کو آگے بڑھنے کا موقع دیا جائے تو وقت کے ساتھ حکومت پر نجی شعبے کے اعتماد میں ضرور بہتری آئے گی۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ نجی شعبہ اعتماد کی کمی کے باوجود بھی حکومت کے ساتھ مل کر کام کرنے کا سلسلہ جاری رکھے۔

> ”بجٹ تخصیص پر عوام کو اپنی تجاویز پیش کرنے کا موقع دینے سے بجٹ کے بارے میں ملکیت کا احساس بڑھتا ہے اور حکومت پر عوام کا اعتماد مضبوط ہوتا ہے۔“

انٹرویو

شکیل قادر خان

آڈیشنل چیف سیکرٹری،
حکومت خیبر پختونخوا

> ”فی الوقت ہمارے وسائل میں افزائش، وسائل کی کمی کے برابر نہیں ہے۔“

آپ کے خطے میں بحرانوں اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق کون کون سی مشکلات درپیش ہیں؟

بحرانوں کی بات کریں تو ہمارے خطے، جس میں سابقہ فاٹا کے ساتھ ساتھ خیبر پختونخوا بھی شامل ہے، کو درپیش سب سے بڑا چیلنج، جس کے خلاف ہم گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے نبرد آزما ہیں، غیر ریاستی کرداروں کے خلاف جاری مہم ہے۔ اس نے سلامتی کی صورتحال پر جو اثرات مرتب کئے ہیں، ان کے نتیجے میں پورا خطہ سلامتی کے بحران کی لپیٹ میں ہے۔

اس میں سے کئی مزید بحران پھوٹتے ہیں، مثلاً لوگوں کی نقل مکانی، جس پر ہم نے بڑی حد تک قابو پالیا ہے البتہ اس کے دوررس ضمنی اثرات کو دور کرنے میں ابھی بھی وقت لگے گا۔

یہ چیلنج طرزِ حکمرانی اور قانونی کی حکمرانی پر بھی براہ راست اثرات مرتب کرتا ہے۔ ایک عرصے سے ریاست کی عملداری کمزور پڑ رہی تھی۔ ریاست نے جوابی اقدامات کئے اور ان کرداروں پر زمین تنگ کرتے ہوئے آہستہ آہستہ اپنی عملداری واپس لینے لگی۔ اب ہم اس نہج کو پہنچ چکے ہیں جہاں ہم پر اعتماد ہیں کہ ریاست اپنی مکمل عملداری کے ساتھ کام کر رہی ہے۔

سلامتی کا بحران بلاشبہ ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ بے پناہ توانائی اس سے نمٹنے کی سرگرمیوں کی نذر ہوگئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہم دیگر بحرانوں مثلاً موسمیاتی تبدیلی اور شہری علاقوں کے بدنما پھیلاؤ پر پوری توجہ اور اس کے لئے ضروری وقت نہ دے پائے۔ اس کی وجہ سے معاشی افزائش سست روی کا شکار ہوگئی اور جس رفتار سے روزگار کے مواقع پیدا کرنا ہمارے لئے ضروری تھا اور جس تیزی سے ہمیں بنیادی ڈھانچے کو بہتر بنانا چاہئے تھا، وہ ہم نہ کر پائے۔

سماجی تحفظ کے چیلنج کے دو زاویے ہیں، بحران کے دوران اور بحران کے بعد سماجی تحفظ۔ جہاں تک اول الذکر کا تعلق ہے تو بڑی حد تک اس پر ہمارا جواب مناسب رہا ہے۔ موخر الذکر پر ہمیں مزید کام کرنے کی ضرورت ہے تا کہ ہم دوران امن سماجی تحفظ کے مزید پروگرام متعارف کرا سکیں۔

”خیبر پختونخوا حکومت اپنی سٹریٹجک برتری نجی شعبے کو دینے کے لئے تیار ہے۔“

آخری مگر برابر اہم، ان تمام چیلنجوں پر قابو پانے کے لئے خاطر خواہ وسائل کا چیلنج بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ فی الوقت ہمارے وسائل میں افزائش، وسائل کی کمی کے برابر نہیں ہے۔

ان مشکلات سے متعلق کلیدی حکمت عملیاں کیا ہیں؟ کیا یہ کامیاب رہی ہیں؟

اصل بحران سلامتی کا بحران تھا جس پر ہم نے بڑی حد تک قابو پالیا ہے۔ لیکن اب اصل ضرورت اس بات کی ہے کہ اس کے ضمنی اثرات کو دور کیا جائے۔

مثال کے طور پر سماجی تحفظ کی سکیموں اور ہنگامی حالات کے دوران نقد رقوم کی تقسیم خاصے لبرل انداز میں کی گئی اور اقوام متحدہ سمیت دو طرفہ اداروں سے بھرپور مدد لی گئی۔ ہماری کامیابی اس بات میں پنہاں ہے کہ ہم نے سماجی تحفظ کے تحت تقریباً 4 سے 4.5 ملین گھرانوں کو مدد فراہم کی۔ یہ تمام تر کام صوبائی سطح پر عمدہ طریقے سے انجام دیا گیا اور دباؤ کے تحت ہماری کارکردگی شاندار رہی۔

آگے کی طرف بڑھتے ہوئے اب نقل مکانی کے مختلف پہلو سامنے آرہے ہیں جن میں واپسی بہت اہم ہے۔ ایجنڈا میں اسے بھی ترجیحی حیثیت حاصل ہے جس پر ہم نے کامیابی سے کام کرلیا ہے۔ تقریباً 99 فیصد آبادی اپنے آبائی علاقوں میں واپس آچکی ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے۔

جہاں تک انسانی پہلو کا تعلق ہے تو ذرائع معاش کی بحالی، تباہ حال مکانات کے لئے معاوضہ کی فراہمی، اور سلامتی، طرز حکمرانی اور قانون کی حکمرانی کی صورتحال کے ازالہ کے لئے حکمت عملیاں بنائی گئیں جو کارآمد بھی رہیں۔

فاٹا کے سیاق وسباق میں ہم نے انضمام کے بعد بحیثیت مجموعی خطے میں طرز حکمرانی کے ڈھانچے کو تبدیل کر دیا ہے۔ پولیس، مقامی حکومتیں، اراضی کی بہتر آبادکاری وغیرہ، یہ سب وہ بڑی حکمت عملیاں ہیں جو اپنا اثر دکھا رہی ہیں۔ بعض حکمت عملیاں پایہ تکمیل کو پہنچ چکی ہیں جبکہ دیگر پر کام جاری ہے۔ یہ طویل مدتی مقصد ہے لیکن آغاز مثبت رہا ہے۔

سماجی تحفظ کے میدان میں سب سے اہم پہلو یہ ہے کہ موزوں پالیسی سامنے لائی جائے۔ اس پر بہت سا کام ہو چکا ہے۔ سماجی تحفظ پالیسی کا مسودہ تیار ہے اور سماجی مشکلات کا شکار آبادی، مثلاً کمزور طبقات، خواتین وغیرہ کے لئے اس میں کئی اقدامات شامل ہیں۔ ہم لوگ وفاقی حکومت کے ساتھ بھی اس کے سماجی تحفظ کے مرکزی پروگرام، احساس کے ساتھ بھرپور طریقے سے کام کر رہے ہیں۔

جہاں تک موسمیاتی تبدیلی کا تعلق ہے تو 'بلین ٹری سونامی' اور 'ٹین بلین ٹری سونامی' یہ دونوں مرکزی پروگرام ہیں جن کی شروعات خیبر پختونخوا سے ہوئی۔ پاکستان میں جنگلات کے کل رقبہ کا تقریباً 65 فیصد ہمارے پاس ہے اور ہمارا صوبہ موسمیاتی تبدیلی کے چیلنج میں ایک مرکزی کردار ادا کرتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس بحران سے نمٹنے کے لئے بہت سا کام ہو چکا ہے اور ہم مزید کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے ابھی بھی کام کر رہے ہیں۔

شہری پھیلاؤ ایک قدرے نیا چیلنج ہے۔ ہم لوگ چونکہ دیگر بحرانوں سے متعلق جوابی اقدامات میں الجھے رہے ہیں، اس لئے اس کے ازالہ پر ضروری توجہ نہیں دی گئی۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمارے شہروں کا نظم ونسق اس حد تک موزوں نہیں ہے جیسا ہونا چاہئے۔ مسائل میں سالڈ ویسٹ مینجمنٹ، ٹریفک کا نظم ونسق، سیوریج، پانی اور سینی ٹیشن کے مسائل، طوفانی پانی کو سنبھالنے کے اقدامات اور اس طرح کے کئی دوسرے مسائل شامل ہیں۔ تاہم گزشتہ دو سال سے حکومتی سطح پر اس چیلنج سے نمٹنے کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا جا رہا ہے اور اربوں روپے مالیت کے منصوبوں پر کام شروع کر دیا گیا ہے۔

لب لباب یہ ہے کہ حکومت ان تمام چیلنجوں سے بخوبی آگاہ ہے جو اسے درپیش ہیں اور وہ ان کا بھرپور طریقے سے مقابلہ کر رہی ہے۔ بعض جوابی حکمت عملیاں اپنی تکمیل کو پہنچ چکی ہیں جبکہ کچھ پر کام جاری ہے۔ بعض ایسی بھی ہیں جن پر کام شروع ہو چکا ہے یعنی انہیں حتمی شکل دی جا رہی ہے یا پھر یہ تشکیل کے مرحلے میں ہیں۔

آخری شعبہ معاشی افزائش اور روزگار کے مواقع پیدا کرنے سے متعلق ہے۔ صحت مند معیشت اور روزگار کے مواقع کی صحت مندانہ افزائش بہت اہم ہے جس کی بدولت لوگ حکومت کی طرف سے فراہم کی جانے والی بیشتر خدمات سے استفادہ کرتے ہیں۔ اس ضمن میں بہت کام ہو رہا ہے، مثلاً صنعتی اور زرعی شعبوں کی مدد کی جا رہی ہے، کاشت کے لئے آبپاشی والے رقبے میں اضافہ کیا جا رہا ہے، روزگار کے مواقع تیزی سے پیدا کرنے کے لئے ایس ایم ایز کو فروغ دیا جا رہا ہے اور انفارمیشن ٹیکنالوجی کے شعبے اور سٹارٹ اپس کو سرمایہ کاری کے ذریعے مدد دی جا رہی ہے۔ مستقبل میں ہمارا ہدف ہے کہ بے روزگاری کے مسئلے کو دور کیا جائے جو اس وقت ہمارے صوبے میں قومی اوسط کی نسبت زیادہ بلند ہے۔

مقابلے کی پائیدار صلاحیت پیدا کرنے کی طویل مدتی حکمت عملی کی تیاری میں آپ کے نزدیک دیگر متعلقہ فریق کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

نجی شعبہ دو حصوں میں تقسیم ہے، ایک طرف وہ سرگرمیاں ہیں جو 'منافع کے لئے' ہیں اور دوسری جانب 'بلا منافع بنیاد پر' اشتراک عمل۔

بلا منافع بنیاد پر اشتراک عمل خاص طور پر بحران کے دنوں میں اپنا کام دکھاتا ہے اور سماجی تحفظ، موسمیاتی تبدیلی وغیرہ جیسے شعبوں پر کام کرتا ہے۔ سرکاری اور نجی شعبے کے درمیان فلاحی سرگرمیوں کے لئے بڑے پیمانے پر اشتراک عمل گزشتہ چند سالوں کے دوران آنے والی بڑی قدرتی آفات کے دوران دیکھنے میں آیا۔ یہ ماڈل بہت مفید رہا ہے اور اس میں دونوں شعبوں کی ذمہ داریاں واضح طور پر طے ہوگئی ہیں۔

منافع کے لئے کام کرنے والا شعبہ نیا ہے جس کے لئے قوانین گزشتہ تین چار سال میں وضع کئے گئے ہیں۔ نجی شعبہ جہاں حکومت کے ساتھ اشتراک عمل اختیار کرسکتا ہے ان میں سڑکیں، صحت، شہری و بنیادی ڈھانچے کی سہولیات کی ترقی اور معاشی افزائش شامل ہیں۔

خیبر پختونخوا حکومت اپنی سٹریٹجک برتری نجی شعبے کو دینے کے لئے تیار ہے۔ مزید برآں، حکومت اس بات کا بھی خیال رکھے گی کہ اگر کوئی آئیڈیا نجی شعبے کی طرف سے سامنے آتا ہے تو اس کے ملکیتی حقوق بھی اسی کو حاصل ہوں۔

آخری مگر برابر اہم بات، ہم بین الاقوامی پارٹنرز کے تکنیکی و مشاورتی کردار کو انتہائی اہمیت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور یہ وہ شعبہ ہے جس میں بہت کچھ کرنے کی گنجائش اور استعداد موجود ہے۔

”تقریباً 99 فیصد آبادی اپنے آبائی علاقوں میں واپس آچکی ہے جو بہت بڑی کامیابی ہے۔“

انٹرویو

نصیر نصر

ڈائر یکٹر جنرل
پراونشل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی،
حکومت بلوچستان

> "حکومت بلوچستان بین الاقوامی اور قومی ترجیحات کے مطابق صوبے میں آفات کے خطرات سے نمٹنے کا ایک مضبوط نظام وضع کرنے کی سنجیدہ کوششیں کر رہی ہے۔"

آپ کے خطے میں بحرانوں اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق کون کون سی مشکلات درپیش ہیں؟

تاریخی ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ صوبہ بلوچستان کئی طرح کی قدرتی اور انسانوں کی پیدا کی ہوئی آفات کا سامنا کر چکا ہے۔ کچھ آفات جنہوں نے سب سے زیادہ تباہی پھیلائی اور جن کی وجہ سے بڑے پیمانے پر جانی اور مالی نقصان ہوا، ان میں 1935 میں کوئٹہ کا زلزلہ، 2008 میں زیارت کا زلزلہ اور 2013 میں آواران کا زلزلہ شامل ہیں۔ حالیہ سالوں کے دوران موسمیاتی تبدیلی کی وجہ سے بارش اور طغیانی کے باعث سیلاب کے خدشات بڑھ گئے ہیں اور 2007، 2010، 2011، 2012، 2018، 2019 اور 2020 میں بڑے سیلاب آچکے ہیں۔ موسمیاتی تبدیلی کے اثرات کے علاوہ صوبہ چونکہ بحیرہ عرب کے قریب واقع ہے، اس لئے یہ سمندری طوفانوں اور ان کے ساتھ آنے والی شدید بارشوں اور سیلاب کے خطرے سے بھی دوچار ہے جنہوں نے گزشتہ دو دہائیوں کے دوران زیادہ نمایاں شکل اختیار کرلی ہے۔ حالیہ مثالوں میں جون 2007 میں 'گونو سائیکلون'، اکتوبر 2008 میں آنے والا 'یمین سائیکلون' اور مئی 2010 میں آنے والا 'فیٹ سائیکلون' شامل ہیں جنہوں نے بلوچستان کی ساحلی پٹی کو متاثر کیا۔ اس کے علاوہ صوبے کا ایک بڑا حصہ بنجر اور بے آب و گیاہ اراضی پر مشتمل ہے جہاں بارشیں کبھی کبھار ہوتی ہیں اور آبپاشی کا نظام کمزور ہے، جس کی وجہ سے صوبہ خشک سالی کے مستقل خطرے سے دوچار رہ جاتا ہے۔ حالیہ سالوں میں 2002-1997 اور پھر 2019-2018 کے دوران بلوچستان کو شدید خشک سالی کا سامنا رہا۔ 2019 میں نیشنل ڈزاسٹر کنسورشیم کی جانب سے کی گئی ایک تحقیق کے مطابق صوبے کے 14 اضلاع شدید خشک سالی کا شکار رہے۔

2005 کا تباہ کن زلزلہ، 2010 کے شدید سیلاب اور دیگر آفات اصل میں صدائے بیداری ہیں جو ایک عملی سوچ کے تحت اقدامات کی ضرورت کو اجاگر کرتے ہیں جس میں آفات کی تیاری اور ان کی شدت میں کمی کے اقدامات پر زیادہ توجہ دینا ہوگی اور یوں مقابلے کی صلاحیت کے حامل ایسے بنیادی ڈھانچے کے قیام میں مدد دینا ہوگی جو مستقبل کے لئے جوابی اقدامات، بحالی اور آبادکاری جیسے تمام مراحل پر مشتمل ہو۔ اسی بناء پر 2010 میں نیشنل ڈزاسٹر مینجمنٹ ایکٹ کے نفاذ کے بعد آفات کے خطرات سے نمٹنے کا ایک مضبوط نظام تشکیل دیا گیا جس کے تحت ملک میں قومی اور صوبائی سطح پر ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹیز قائم کی گئیں جبکہ ضلعی سطح پر ڈزاسٹر مینجمنٹ

اتھارٹیز آہستہ آہستہ تشکیل پا رہی ہیں اور مستحکم ہو رہی ہیں۔ تاہم اس میدان میں ابھی مزید کئی سنگ میل عبور کرنے کی اشد ضرورت ہے تاکہ مستقبل میں مقامی حکومتیں اور خطرات سے دو چار کمیونٹیز خود اس قدر استعداد اور علوم کی حامل ہوں کہ آفات کا بروقت اور مستعدی سے جواب دے سکیں۔

موسمیاتی تبدیلی جیسے بعض بحران چونکہ عالمی نوعیت کے ہیں اور وسیع پیمانے پر پھیلے ہیں اس لئے دنیا بھر میں اپنائے جانے والے بہترین طریقوں سے سبق حاصل کرنا ازحد ضروری ہے۔ حکومت بلوچستان بین الاقوامی اور قومی ترجیحات کے مطابق صوبے میں آفات کے خطرات سے نمٹنے کا ایک مضبوط نظام وضع کرنے کی سنجیدہ کوششیں کر رہی ہے۔ یہ پالیسی بلوچستان میں آفات سے نمٹنے کے نظام کو مزید مستحکم بنانے اور تمام متعلقہ فریقوں یعنی حکومت، غیر سرکاری تنظیموں (این جی اوز)، سول سوسائٹی اور مقامی کمیونٹیز کو ابھرتی ہوئی آفات کے پیش نظر مقابلے کی صلاحیت کے کلچر کو فروغ دینے کے قابل بنانے کے لئے پیش کی جا رہی ہے۔ اس ضمن میں مختلف سرگرمیوں میں استعداد کی تعمیر، عوامی آگاہی میں اضافہ اور زندگیوں اور ذرائع معاش کو محفوظ بنانے کی تیاری پر حوصلہ افزائی شامل ہیں۔

ان بحرانوں سے متعلق کلیدی حکمت عملیاں کیا ہیں؟ کیا یہ کامیاب رہی ہیں؟

ہم مختلف حکمت عملیاں استعمال کر رہے ہیں، مثلاً:

- صوبے بھر میں آفات سے نمٹنے کے ایک فعال نظام کو عملی شکل دی جا رہی ہے۔
- سائنسی بنیاد پر صوبے میں درپیش مختلف خطرات اور ان کی شدت پر ایک جامع تجزیہ مرتب کیا جا رہا ہے جو آفات سے نمٹنے کے منصوبوں کی تیاری کے لئے بنیاد کا کام دے گا۔
- موسمیاتی تبدیلی اور دیگر ممکنہ خطرات کے منفی اثرات سے نمٹنے کے لئے آفات کے خطرات میں کمی کے موثر اقدامات کے ذریعے پائیدار ترقی اور مقابلے کی صلاحیت کے حامل بنیادی ڈھانچے کو ترجیح دی جا رہی ہے۔
- باقاعدگی کے ساتھ تربیتی سرگرمیوں، آگاہی سیشنز، مختلف مشقوں اور سائنسی تحقیق کے ذریعے تمام متعلقہ فریقوں کی استعداد بڑھائی جا رہی ہے۔
- مقامی سطح پر کمیونٹیز میں مقابلے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لئے اکثر آفات کی زد میں آنے والی کمیونٹیز کو خطرات کے تجزیہ، منصوبہ بندی، عملدرآمد و نگرانی کی سرگرمیوں میں شامل کیا جا رہا ہے۔
- ہنگامی حالات میں جوابی اقدامات کے ایک موثر اور مستعد نظام کو مستحکم بنایا جا رہا ہے جو ہر طرح کے ہنگامی حالات اور آفات کی تیاری اور جوابی اقدامات کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

مقابلے کی پائیدار صلاحیت پیدا کرنے کی طویل مدتی حکمت عملی کی تیاری میں آپ کے نزدیک دیگر متعلقہ فریق کیا کردار ادا کر سکتے ہیں؟

کوئی بھی آفت جب آتی ہے تو مقامی کمیونٹیز اور فرنٹ لائن پر حفاظتی اور دفاعی فرائض انجام دینے والے کارکن سب سے زیادہ متاثر ہوتے ہیں۔ مقامی رہائشی اگرچہ اپنی اجتماعی کوششوں اور رضاکار سرگرمیوں کے ذریعے آفات کے اثرات اور دیگر مشکلات سے نمٹنے کی کوششیں کرتے ہیں لیکن وہ ابتدائی طبی امداد، تلاش و بچاؤ یا ہنگامی جوابی اقدامات کے لئے پیشہ ورانہ طور پر تربیت یافتہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا، ہم باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت استعداد اور صلاحیتیں پیدا کرنے کا ایک ایسا نظام تشکیل دے رہے ہیں جس کی بدولت متعلقہ کمیونٹیز اپنی مدد آپ کا ایک مربوط نظام وضع کر سکیں، اور حکومتی اداروں کو خطرات میں کمی لانے اور کسی بھی ہنگامی صورتحال کے لئے چوبیس گھنٹے تیار رہنے میں مدد دے رہے ہیں۔ اس کے علاوہ ہم درج ذیل پر بھی کام کر رہے ہیں:

- متعلقہ حکومتی اداروں بالخصوص شہری دفاع، ریسکیو 1122، سماجی بہبود، انجمن ہلال احمر پاکستان اور دیگر این جی اوز کے ساتھ مل کر کمیونٹی سطح پر آفات کے خطرات سے نمٹنے کا ایک فریم ورک تشکیل دیا جا رہا ہے تاکہ ان تمام سرگرمیوں کو ایک باقاعدہ حکمت عملی کے تحت عملی جامہ پہنایا جا سکے۔
- کمیونٹی سطح پر آفات کے خطرات سے نمٹنے کے نظام پر یکساں معیار پر مبنی ایک نصاب تیار کیا جا رہا ہے تاکہ مقامی سطح پر ملکیت کا احساس پیدا ہو اور جوابدہی کو یقینی بنایا جا سکے۔
- ضلعی حکومت، این جی اوز اور سول سوسائٹی کی مدد سے مقامی سطح پر آفات سے نمٹنے کے لئے تمام ضروری صلاحیتوں اور وسائل سے لیس کمیٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔
- آفات سے متعلق مقامی سطح کی کمیٹیوں کو ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹیز اور مقامی حکومت کی زیر نگرانی اپنے اپنے علاقوں میں مختلف خطرات کے تجزیہ (ایم ایچ وی آر اے) اور آفات سے نمٹنے (ڈی آر ایم) کے منصوبوں کی تیاری پر تربیت دی جا رہی ہے تاکہ معیار، درست اعداد و شمار اور انحصار، سمیت تمام پہلوؤں کو یقینی بنایا جا سکے۔
- انہی خطوط پر کمیونٹی سطح پر رضاکاروں کی ٹیمیں تیار کی جا رہی ہیں۔

ان تمام تر سرگرمیوں میں ہماری بھرپور کوشش ہے کہ سول سوسائٹی تنظیموں کو ساتھ ملا کر ان کی مدد لی جائے اور آفات سے نمٹنے کے نظام کو مستحکم بنایا جائے۔

> ” ہم باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت استعداد اور صلاحیتیں پیدا کرنے کا ایک ایسا نظام تشکیل دے رہے ہیں جس کی بدولت متعلقہ کمیونٹیز اپنی مدد آپ کا ایک مربوط نظام وضع کر سکیں۔ “

انٹرویو

شریف حسین

ڈائریکٹر جنرل
پراونشل ڈزاسٹر مینجمنٹ اتھارٹی،
حکومت خیبر پختونخوا

> "نجی اور سرکاری شعبے کے درمیان اشتراک عمل کی بھی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے۔"

آپ کے خطے میں بحرانوں اور مقابلے کی صلاحیت سے متعلق کون کون سی مشکلات درپیش ہیں؟

ماحولیاتی بحران بالعموم پورے ملک کا مسئلہ ہیں البتہ اس خطے میں خاص طور پر زلزلے اور سیلاب جیسے مسائل زیادہ ہیں۔ دریاؤں کے کنارے تجاوزات بڑھنے کی وجہ سے سیلاب کا مسئلہ زیادہ شدید ہو جاتا ہے۔

جہاں تک خیبر پختونخوا میں آنے والے بحرانوں کا تعلق ہے تو گلیشئر جھیلوں سے پیدا ہونے والے سیلاب، خاص طور پر خیبر پختونخوا کے شمالی حصے میں بڑے تواتر کے ساتھ آتے رہتے ہیں۔

موسمیاتی تبدیلی کا بحران بھی خاصا شدید ہے کیونکہ موسموں کا اتار چڑھاؤ لاتعداد دیگر مشکلات کو بھی جنم دیتا ہے۔ باقاعدہ بلڈنگ کوڈز، جو ہر طرح کے خطرات کا احاطہ کریں، کا فقدان بھی ایک بڑا مسئلہ ہے۔ بہتری یقینا آئی ہے، خاص طور پر 2015 کے زلزلے کے بعد، لیکن ابھی بھی کئی نجی عمارتیں ایسی ہیں جہاں تعمیراتی سرگرمیوں کے دوران زلزلے کے مقابلے کی صلاحیت کے حوالے سے اس پہلو کو مدنظر نہیں رکھا گیا۔

جنگلات کا خاتمہ ایک اور بڑا بحران ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ درختوں کی کٹائی پہاڑوں کے رہائشیوں کے لئے آمدنی کا اہم ذریعہ ہے۔ اس کے علاوہ پکانے اور گھروں وغیرہ کو گرم رکھنے کے لئے جلانے اور ایندھن کے طور پر لکڑی کا استعمال بھی ایک سبب ہے جس کی بناء پر ان علاقوں میں درختوں کی کٹائی کا سلسلہ تیزی سے جاری ہے۔

شہروں کا پھیلاؤ بھی آہستہ آہستہ ایک مسئلے کی شکل اختیار کر رہا ہے۔ لوگوں کی اکثریت چونکہ بڑے شہروں کی طرف منتقل ہو رہی ہے اس لئے شہروں کو خدمات، گنجائش اور وسائل کے حوالے سے شدید دباؤ کا سامنا ہے۔

سلامتی اور قانون کی حکمرانی بھی خطے میں طرز حکمرانی سے متعلق ایک اہم چیلنج ہے۔ اس سے نمٹنے کے لئے اب تک کئی سکیورٹی آپریشن ہو چکے ہیں۔ ان کے نتیجے میں لاتعداد لوگوں کو نقل مکانی کرنا پڑی۔ نقل مکانی اور دوبارہ